رمضان/شوال 1434ھ

اگست 2013ء

ماہنامہ المرشد

اللہ
رسول
محمد

الذِّكْرُ الَّذِي لَا تَسْمَعُهُ الْحَفَظَةُ يَزِيدُ عَلَى الذِّكْرِ الَّذِي تَسْمَعُهُ الْحَفَظَةُ سَبْعِينَ ضِعْفًا (البیہقی)

وہ ذکر الٰہی جسے کراماً کاتبین نہیں سنتے اس ذکر سے ستر درجے بہتر ہے جسے وہ سنتے ہیں۔ (الحدیث)

نیکی کرنے کی توفیق اور گناہ سے
بچنے کی توفیق ذکر الٰہی سے نصیب ہوتی ہے۔

حضرت شیخ المکرم
امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

مراکش کی ایک مسجد

تصوف

دنیا میں ایک کامیاب و پرسکون زندگی گزارنے اور آخرت میں سرخروئی حاصل کرنے کیلئے جن آداب زندگی کی ضرورت ہے وہ اسوہ حسنہ ﷺ ہے۔ کلمہ گو ہونے کے باوجود اس راستے پر چلنے میں ایک بڑی رکاوٹ وہ انسانی عادات ہیں جو انسانی نفس کی بے جا پیروی کا نتیجہ ہیں۔

ان عادات کو بدلنا ہی دین ہے کہ جن چیزوں سے اللہ کریم نے روکا ہے ان سے رک جائیں لیکن رک جانے کے لئے یہ احساس ضروری ہے کہ اللہ کریم ذاتی طور پر ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ یہ احساس حضور ﷺ پر اعتبار کرنے سے آتا ہے۔ تصوف اس یقین واعتبار کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس یقین کے دل میں در آتے ہی عادات از خود بدلنا شروع ہو جاتی ہیں۔ کردار میں بہتری آتی ہے۔ بندہ دنیا میں پرسکون اور آخرت میں کامیابی پانے کے راستے پر چل پڑتا ہے۔ دل اللہ کی یاد سے آباد ہو جائے تو اسوہ حسنہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کو دل چاہتا ہے اور اس طرز حیات سے باہر قدم رکھنا اس کے لئے محال ہو جاتا ہے۔

یقیناً تصوف اس قوت کا نام ہے، جو بے عمل کو باعمل بنا دے، جو نا اہل کو اہلیت عطا کر دے، جو دل مردہ میں حیات نو پیدا کر دے۔

ماہنامہ
المرشد
PS/CPL#15

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اگست 2013ء رمضان المبارک/شوال 1434ھ

جلد نمبر 34 شمارہ نمبر 12

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	3
اداریہ	ابوالاحمدین	4
کلام شیخ	سیماب اویسی	5
اقوال شیخ	انتخاب	6
طریقہ ذکر		7
بیان سالانہ اجتماع	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	8
اکرم التفاسیر	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	16
شوال اور عیدالفطر کے فضائل واحکام	مولانا طارق محمود	23
غزوہ بدر	سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم از مولانا شبلی نعمانی	27
مسائل السلوک	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	35
خواتین کا صفحہ	ام فاران، راولپنڈی	38
کرنل بشیر احمد۔ پیکر استقامت	محمد ذوالقرنین حیدر	42
حقوق والدین		45
نقش اور دم	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	48
ALLAH'S OBEDIENCE	Ameer Muhammad Akram Awan	54
A LIFE ETERNAL	Abul Ahmadain Translation : Naseem Malik	57

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت/سری لنکا/بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطی کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس لاہور 042-36309053 ناشر عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن ورابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ، لاہور
PH: 042-35180381 , Email: monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ: www.oursheikh.org
Ph: 0543-562200 , FAX: 0543-562198 Email: darulirfan@gmail.com

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

ضرورت تزکیہ

آج کے دور کی مصیبت یہ ہے کہ کیفیاتِ باطنی دنیا میں بہت کم نصیب ہوتی ہیں۔ ایسے لوگ جنکے نہ صرف دل روشن ہوں بلکہ دوسرے دلوں کو روشن کرنے کی ہمت بھی رکھتے ہوں دنیا میں نظر نہیں آتے۔ جب یہ نعمت نصیب نہیں ہوتی تو وہ قوتِ عمل بھی نصیب نہیں ہوتی۔ لوگ کتاب اللہ پڑھتے بھی ہیں اور پڑھاتے بھی ہیں مگر عمل بہت ہی کم نصیب ہوتا ہے اللہ کریم دلوں کی روشنی نصیب فرمائے۔ آمین۔

اس کیلئے ضروری ہے کہ ایسے لوگوں کو تلاش کیا جائے جو ایک روشن دل رکھتے ہوں اور آپ ﷺ کی عطا کردہ کیفیات کے نہ صرف امین ہوں بلکہ انہیں تقسیم بھی کر سکیں اور دوسروں کے دلوں میں بھی روشنی منتقل کریں جن کے وہ امین ہوں۔

چنیں مردے کہ یابی خاک اوشو
اسیر حلقۂ فتراک اوشو

ایسے ہی مردوں کی غلامی حیات آفریں ہوا کرتی ہے اور حقیقی علم سے آشنائی نصیب کرتی ہے۔

تزکیہ کے صدقے عمل کی راہیں کھلتی ہیں بعض لوگوں نے محض پڑھنے لکھنے کو دین جانا اور کاملین کی صحبت کی ضرورت محسوس نہیں کی تو علم دین بھی ان کو دنیا کمانے کا ذریعہ نظر آیا جبکہ بعض نے کتاب الٰہی کی پروا نہ کی اور محض علماء و مشائخ کے پیچھے دوڑ لگا دی جو کہ یہود و نصاریٰ کی مشابہت ہے لہٰذا یہ دونوں راستے درست نہ تھے مقصد کو وہی لوگ پا سکے جنہوں نے ماہر علما اور تربیت یافتہ کامل مشائخ کی صحبت اختیار کی اور دونوں چیزوں کو ان کی اصل جگہ رکھا اور ان کی اہمیت کو سمجھا۔

سوئے منزل (۲)

اقتدار ملنے کے بعد مقتدر پارٹی اپنی لئے منزل کا تعین کرتی ہے جس کا اندازہ ارباب حکومت کے ابتدائی پالیسی بیانات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ سب سے بڑی خواہش تو یہ ہوتی ہے کہ اقتدار مکرر کے مزے کس طرح لوٹے جائیں اور اس کے لئے ایسے خوش کن منصوبوں کا اعلان کیا جاتا ہے جن سے ووٹ بنک نہ صرف قائم رہے بلکہ اس میں اضافہ بھی ہو۔ اس سے کمتر خواہش یہ ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح پانچ سالہ دور اقتدار قائم رہے جس کے لئے جوڑ توڑ کی سیاست کا سہارا لیا جاتا ہے خواہ ووٹر کی ناراضگی بھی قبول کرنی پڑے۔ اس کی مثال سابقہ حکومت ہے جس نے جیسے تیسے پانچ سالہ اقتدار کی منزل تو حاصل کر لی لیکن موجودہ حکومت کی منزل کیا ہے؟ اس کا تعین قارئین خود کر سکتے ہیں۔

وہ حکومت جس کی پہچان اس کا اسلامی تشخص بھی ہے' اس کی منزل ان پانچ سالہ اور دس سالہ راہوں سے کہیں آگے ہونی چاہیئے۔ حکومت اللہ کریم کی عطا ہے جو کسی کے لئے باعث رسوائی بن جاتی ہے تو کسی کے لئے دو جہانوں میں سرخروئی کا ذریعہ۔ حکومت عطا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے منزل کا تعین بھی فرما دیا ہے کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط

یہ لوگ (ایسے ہیں کہ) اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں۔ (سورۃ الحج۔ آیت 41)

وہ شہید جنرل جسے فوجی آمر کہہ کر مطعون کیا جاتا ہے' اس نے نظام صلوٰۃ تو متعارف کرایا تھا۔ اس میں ابھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت تھی لیکن افسوس کہ یہ نظام صلوٰۃ اب روبہ زوال ہے۔ یکم رمضان کو بنک اکاؤنٹس میں سے زکوٰۃ کی کٹوتی اور پھر سیاسی بنیادوں پر اس کی بندر بانٹ! کیا یہی نظام زکوٰۃ مقصود ہے جبکہ بہت سے محاصل زکوٰۃ کی کٹوتی سے ماوراء ہیں۔ صرف نظام زکوٰۃ ہی کو شرعی تقاضوں کے مطابق نافذ کر دیا جائے تو نہ صرف سودی قرضوں کے عفریت سے نجات مل جائے گی بلکہ یہ نظام پاکستان کی معیشت کے لئے ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوگا۔ حکومت کے تیسرے فریضہ اوامر و نواہی کا تذکرہ کس منہ سے کریں' یہاں تو قرآنی سزاؤں کو غلط ثابت کرنے کے لئے ہمارے چینلز پر پوری ڈھٹائی سے دلائل دیئے جاتے ہیں۔ دین تو الگ رہا' کیا ہمارا دستور اس بات کی اجازت دیتا ہے! یہ صرف غضب الٰہی کو ہی نہیں' لاقانونیت کو بھی دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اسلامی قوانین نافذ کر کے تو دیکھیں' ان کی برکات سے معاشرے کو وہ امن نصیب ہوگا جس کے لئے اب تک ہزاروں جتن کئے جا چکے ہیں۔ وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ (اے صاحب خرد لوگو! اور تمہارے لئے (قانون) قصاص میں حیات ہے۔ سورۃ البقرۃ' آیت 179)

عوام اور ملک کی بہبود کے لئے آپ سب کچھ کریں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے فرمان کے مطابق از سر نو اپنی منزل کا تعین کرتے ہوئے سوئے منزل رواں دواں ہوں' یقیناً اللہ تعالیٰ کی نصرت آپ کے شامل حال ہوگی۔

ابوالاحمدین

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان، سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر — نشانِ منزل

کون سی ایسی بات ہوئی ہے — سوچ سمندر

متاعِ فقیر — آس جزیرہ — دیدۂ تر

اپنی شاعری کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

"مگر حق یہ ہے کہ یہ سب محض میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں، ان کا معیار کیا ہے، بلکہ یوں کہیے یہ اشعار ہیں یا نہیں، اس کی مجھے خبر نہیں اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے جتنا بھی سیکھا سب کچھ اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔ اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرم کا فیضانِ نظر ہے۔ اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ کرے جو میں چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ آسکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔

فیضانِ نظر، متاعِ فقیر

غزل

ہم کو حسن و عشق کا اب تک فسانہ یاد ہے
ساتھ تیرے جو گزارا وہ زمانہ یاد ہے

تھا کبھی ایسا بھی جب ہم نے تجھے دیکھا نہ تھا
وہ بہانے سے ترا ہر بار آنا یاد ہے

دیکھنا تجھ کو سمجھنا تیرے دل کی بات کو
اور پھر انجان سا بن بن کے جانا یاد ہے

وہ ملاقاتیں بدل کر ڈھل گئی تھیں عشق میں
اور پھر ہر بار ملنے کا بہانہ یاد ہے

وہ بلا لینا کبھی ہم کو وہاں اپنے حضور
یا کبھی پھر آپ کا وہ گھر پہ آنا یاد ہے

ہجر میں بھی دکھ تو ہوتا ہے مگر وقتِ وصال
وہ تڑپنا آپ کا اور غل مچانا یاد ہے

وہ کنارِ راہ گزر جنگل میں مل کر بیٹھنا
رونا تیرا خود بھی اور ہم کو رلانا یاد ہے

وہ تیرا رو رو کے آخر چھوڑ جانا ایک دن
اور وہ چٹھی کہ اب پھر یاں نہ آنا یاد ہے

وہ تمہاری یاد میں ہر آن رہنا بیقرار
وہ ہمارا رات دن آنسو بہانا یاد ہے

لوگ اب سیماب کو سمجھے ہیں بے شک پارسا
باوجود اس کے ہمیں سارا فسانہ یاد ہے

"کونسی ایسی بات ہوئی ہے" سے اقتباس

اقوالِ شیخ

1: شیطان کے مکروہ فریب بڑے کمزور ہوتے ہیں لیکن بندہ اگر مکھی بن جائے تو پھر مکڑی کے جالے میں الجھ جاتا ہے۔

2: ذکر قلبی وہ دولت ہے جو "لب" عطا کرتی ہے، ایک خاص "شعور" پیدا کرتی ہے، ایک خاص درجے کا "فکر" عطا کرتی ہے، جو عملی زندگی کو متاثر کر کے اللہ کی ناراضگی سے دور اور اللہ کی رضامندی کے قریب کرتی چلی جاتی ہے۔

3: ہر نیکی پر مرتب ہونے والے اخروی ثواب کے اثرات نیک آدمی کے دل کو دنیا میں بھی سکون فراہم کرتے ہیں۔

4: ہر کام کی طرف ہاتھ بڑھاتے وقت اگر یہ خیال آجاتا ہے کہ کام ایسا نہ کروں جس سے اللہ اور اللہ کا نبی ﷺ خفا ہو جائیں تو آپ منزل پا گئے۔

5: جو تکلیف نیکی کے راستے میں آتی ہے اس میں لطف و کرم ہوتا ہے اور جو تکلیف اللہ کی ناراضگی کے سبب آتی ہے وہ بظاہر تھوڑی بھی ہو تو بھی دکھ دیتی ہے۔

6: ذکر الٰہی فراغت کا کام نہیں ہے بلکہ مقصد حیات ہے۔

7: اللہ کے دین پر لوگوں کو عمل پیرا کرنے کی محنت کا نام جہاد ہے۔ اپنے آپ کو سنت رسول ﷺ اور اطاعت الٰہی کے دائرے میں کاربند کرنا جہاد افضل ہے۔

8: کثرت سے درود شریف پڑھنے سے صرف فیض حاصل نہیں ہوتا رہے گا بلکہ دو عالم کی ساری مصیبتوں سے نجات کا سب سے آسان ذریعہ ہے۔

9: ایمان کی بنیاد ذکر الٰہی ہے۔ یقین، اعتماد اور قلبی اطمینان یہ سب ذکر الٰہی کی بدولت نصیب ہوتے ہیں۔

10: اللہ اللہ کرنے والوں کے بدن تو وقتی طور پر مشکلات میں پڑ سکتے ہیں لیکن ان کے قلوب وارواح تو جنت کے سکون سے مسرور ہوتے ہیں اور اللہ کا ذکر ان کا قلعہ ہوتا ہے۔

11: زبان سے دہراتے رہنا کہ اللہ ایک ہے، اللہ خالق ہے اور عملی زندگی میں احکام الٰہی کی مخالفت کرتے جانا ابلیسی طریقہ ہے۔

12: اللہ کو تلاش کرنا مشکل نہیں وہ تو قریب ہے بندہ خود اتنا دور ہو جاتا ہے کہ خود کو تلاش کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہوجائے۔

ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہوجائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

پہلا لطیفہ۔ مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔ **دوسرے لطیفے** کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح **تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ** کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔ دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور سر پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

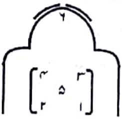

چھٹا لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خودبخود شروع ہوجاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

30 جون 2013ء

سالانہ اجتماع 2013ء کا اختتامی بیان

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ o

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ

سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ o مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ۔

الحمدللہ! اللہ کریم نے توفیق ارزاں فرمائی کہ اس کی یاد کے لیے، اس کے ذکر کے لیے، حصول دین کے لیے، تعمیر آخرت کے لیے، اپنی اصلاح کے لیے، اجتماع میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ گنتی کے دن تھے، الحمدللہ بخیر وخوبی تمام ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے اپنی اپنی ذمہ داری پر بہت محنت کی۔ چوکیداروں اور گارڈ سے لے کر باورچی اور خاکروب تک ہر ایک نے اپنی اپنی ذمہ داری پوری کی اور بڑی محنت سے کی۔

دنیا کا نظام عجیب ہے اور جب تک کوئی زندہ رہتا ہے اسے یہی وہم رہتا ہے کہ یہ نظام میرے دم سے چل رہا ہے، میں یہاں سے نکل جاؤں گا تو یہ کام رہ جائے گا، وہ رہ جائے گا۔ لیکن جب وہ چلا جاتا ہے تو کوئی اسے محسوس بھی نہیں کرتا۔ سب کام چلتے رہتے ہیں بہت سے احباب کو یہ وہم، ان ساعتوں سے اور ان کی برکات سے محروم رکھنے کا سبب بن جاتا ہے کہ جو کام میں کر رہا ہوں میں اگر چلا جاؤں گا تو کون کرے گا۔ حالانکہ کام دنیا کے سارے چلتے رہتے ہیں اور دنیا کا نظام اللہ کریم کے اپنے دست قدرت میں ہے۔ کسی کے آنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جس طرح ایک گمنام فقیر دنیا سے گزر جاتا ہے اور کوئی فرق نہیں پڑتا اسی طرح بڑے بڑے سلاطین بھی گزر جاتے ہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور سسٹم ایسے ہی چلتا رہتا ہے۔ بدکاروں کے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو پرہیزگاروں کے جانے سے بھی اللہ کے نظام کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہاں فرق پڑتا ہے تو انسان کی اپنی اس زندگی پر اور یہ زندگی بنیاد ہے دائمی زندگی کی۔ یہیں تک رہتا تو خیر تھی لیکن وہ دائمی زندگی کو متاثر کرتا ہے۔ بات صرف اہمیت کی ہوتی ہے کہ ہم کس بات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں یہ اجتماع کی گھڑیاں بڑی پرنور، بڑی مبارک ہوتی ہیں، کوشش کرنا چاہیے جتنا زیادہ وقت ان میں نصیب ہو سکے۔ الحمدللہ! اللہ کریم کا احسان ہے کہ اب اجتماع تو سارا سال چلتا رہتا ہے۔ اب بھی آپ کے اس اجتماع سے پہلے ہندوستان کے ساتھی ساٹھ، اکسٹھ کی تعداد میں آئے جتنا ان کا وقت تھا، وہ ویزے میں جو دن ان کو ملے تھے وہ اپنا وقت لگا کر چلے گئے، الحمدللہ! اللہ انہیں بھی وہی برکات نصیب کرے گا کسی کے پاس جب فرصت ہو، سارا سال اجازت ہے، وہ آجائے، رہے، اللہ اللہ کرے، ایک دن ہے، دو دن ہیں، دس دن ہیں، دو مہینے ہیں، کوئی قید نہیں، اپنا وقت لے کر آئے، رہے۔ اسے دن رات اذکار بھی ملیں گے، اسباق بھی ملیں گے۔

کچھ احباب کی روحانی بیعت رہ گئی۔ اس لیے کہ یہاں جو بیعت روحانی کرائی جاتی ہے یہ کوئی مفروضہ یا کوئی خیال یا خواب نہیں ہے۔ الحمدللہ! مبنی برحقیقت ہے۔ روح کو بارگاہ رسالت ﷺ

میں پیش کیا جاتا ہے اور دست اقدس پر بیعت کرائی جاتی ہے۔ جن احباب کی رہ گئی، ان احباب کی اپنی کمزوریوں کی وجہ سے رہ گئی۔ انہیں چاہیے کہ جب کمزوریوں کی نشان دہی ہوگئی ہے تو وہ کمزوریاں دور کریں۔ اپنا معاملہ درست کریں اور پھر تشریف لے آئیں۔ سارا سال بیعت ہو سکتی ہے جب بھی آئیں گے، بیعت بھی کرا دی جائے گی۔ تو اس بات پہ دکھی نہ ہوں ہماری رہ گئی۔ آپ سے کسی کو ضد نہیں ہے ہم تو چاہتے ہیں کہ ہر مومن کو یہ سعادت نصیب ہو۔ لیکن لوگوں کو خوش کرنے کے لیے یہ کہہ دیا کہ تمہاری بیعت کرا دی گئی ہے یہ یہاں نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہاں جو کچھ ہوتا ہے یہ مبنی بر حقیقت ہے۔ کس کی جرأت ہے کہ بارگاہ رسالت کی نقالی کرے یا جھوٹ کہے۔ جو لوگ یہ جرأت کرتے ہیں وہ اپنا انجام پالیں گے۔ تو احباب کو نہ دکھ کرنا چاہیے نہ پریشان ہونا چاہیے۔ بلکہ جو خامیاں، جن کی نشان دہی ہوئی ہے، ان کی اصلاح کریں اور پھر جب فرصت ملے تشریف لے آئیں۔

میں نے جو آیہ کریمہ تلاوت کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ اس میں رب جلیل نے بہت خوبصورت بات ارشاد فرمائی ہے۔ انسان کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی ہستی کیا ہے؟ اللہ کریم نے اس کا وجود تو محض خاک سے چند سیل جوڑ کر بنا دیا۔ ایک قطرے سے اس کے وجود کی بنیاد رکھی۔ اور مختلف خاکی ذرات سے اس کی تعمیر فرما دی۔ لیکن انسان کے بدن میں جو روح پھونکی گئی وہ کسی اور مخلوق میں نہیں فرمایا، قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (بنی اسرائیل: 85) روح امر ربی سے ہے اللہ کی صفت ہے، جس طرح اس کی ذات قدیم ہے اسی طرح اس کی صفات بھی قدیم ہیں۔ اللہ کریم کی کوئی صفت ایسی نہیں کہ کل نہیں تھی اور آج اسے حاصل ہوگئی یا آج نہیں ہے تو کل آ جائے گی۔ جس طرح اس کی ذات دائمی اور ابدی ہے اسی طرح اس کی صفات دائمی، ابدی اور قدیم ہیں۔ زمین، سیارے، ستارے، چاند، سورج یہ کائنات ختم ہو کر آسمانی دنیا شروع ہوتی ہے۔ آسمانوں کی انتہا سے آگے عرش عظیم شروع ہوتا ہے۔ جہاں عرش کی حدود بھی ختم ہو جاتی ہیں۔

آں کہ آمد نہ فلک معراج او
انبیاء و اولیاء محتاج او

عرش کے نو حصے ہیں جنہیں نو عرش کہا جاتا ہے۔ نویں عرش کی انتہا پر عالم خلق ختم ہو جاتا ہے۔ تخلیق کا دائرہ اس سے نیچے نیچے رہے۔ عالم خلق ختم ہوتا ہے تو آگے عالم امر شروع ہوتا ہے۔ عالم امر کو فنا نہیں ہے نہ اس میں کوئی تغیر و تبدل ہے، دائمی ہے، ابدی ہے یہ اللہ کی صفت ہے۔ روح کا اصل عالم امر ہے۔ روح کا گھر عالم امر ہے۔ اب یہ (روح) عالم امر سے اللہ نے کیسے بنا دی۔ فرمایا! قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا

یہی سمجھ لو کہ یہ عالم امر سے ہے۔ اس سے زیادہ سمجھنا تمہاری استعداد سے باہر ہے۔ تمہارے علوم کی انتہا عالم خلق میں ختم ہو جاتی ہے۔ عقلی اور مادی علوم وہاں ختم ہو جاتے ہیں۔ روحانی درجات آگے چلتے رہتے ہیں۔ روحانی علوم آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ لیکن جنہیں اللہ نے وہ علوم دیے ہیں ان کا تو یہ سوال نہیں تھا۔ سوال تو ان کا تھا جن کے پاس صرف دماغی صلاحیتیں تھیں۔ مادی علوم تھے تو فرمایا۔ اگلے کام کا شعور تمہیں نہیں ہے۔

انسان کو یہ جو روح اسے عالم امر سے عطا ہوئی اس نے اسے بہت معزز کر دیا۔ اللہ کریم نے انسان کو جو وجود بخشا ہے۔ یہ بدن، یہ جسم، یہ روح کا ایک آلہ ہے جس کے ذریعے وہ دنیا میں کام کرتی ہے۔ ایک سواری ہے جس پہ بیٹھ کے وہ سفر حیات طے کرتی ہے۔ اس سواری، اس بدن کے لیے اللہ کریم نے کیا کیا بنا دیا اور کتنی اس کی خاطر تواضع کی۔ فرمایا! خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرۃ: 29) جتنی نعمتیں زمین پر بکھیر دی ہیں وہ کتنی ہیں وہ د

اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا تم گننا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔ یہ ساری اس وجود انسانی کی خدمت کے لیے ہیں۔ تو اندازہ کیجئے کہ سواری کے لیے اتنا اہتمام ہے سورج طلوع ہوتا ہے، چاند آتا ہے، ستارے نکلتے ہیں، رات آتی ہے، دن آتا ہے، موسم بدلتے ہیں، گرمی، سردی، بارش برسات، بے شمار پھل، فصلیں، بے شمار نعمتیں، بے شمار غذائیں، بے شمار دوائیں، ہوا کے جھونکے سے لے کر پانی بارش کے قطرے تک اس کی خدمت پر لگے ہوئے ہیں۔ تو اگر سواری کا اتنا اہتمام ہے تو سوار کا کتنا ہوگا۔ اس کے لیے کتنی نعمتیں تخلیق فرمائی ہوں گی۔ کتنی نعمتیں اسے عطا کی ہوں گی بلکہ سواری تو ایک ایسی مادی مخلوق ہے جسے مادی نعمتیں چاہئیں اور روح تو عالم امر کی شئے ہے اسے تو وہ نعمتیں چاہئیں جس کا تعلق عالم امر سے ہو۔ اسی لیے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی سالک ترقی کرتا جائے اور منازل طے کرتا ہوا نو عرش عبور کر جائے عالم امر میں قدم رکھے تو وہ اب گھر پہنچا۔ یعنی کسی کی روحانی ترقی اتنی ہو جائے کہ اس کی روح عالم امر میں پہنچ جائے تو اب وہ گھر پہنچا۔ آگے ترقی کرے تو پتہ چلے گا یعنی روح نے انسان کی قدر و قیمت بہت بڑھا دی۔ یہ الگ بات! کہ ہم صرف جسم کو موٹا کرنے میں لگے رہیں اور روح کی طرف خیال ہی نہ کریں تو یہ ہماری بدقسمتی ہے۔ لیکن اس روح نے اس کی اتنی قدر و قیمت بڑھا دی کہ رب کریم فرماتے ہیں فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ تم میرا ذکر کرو، تم مجھے یاد کرو، میں تمہاری باتیں کیا کروں گا۔ '' چہ نسبت خاک را با عالم پاک '' تم مجھے یاد کرو گے تو تم ہر لمحہ محتاج ہو! تم مجھے یاد کرو گے تو تمہاری ضرورتیں درمیان میں ہوں گی۔ تم مجھے یاد کرو گے تو تمہاری خواہشات درمیان میں ہوں گی، تم مجھے یاد احتیاج سے کرو گے تم محتاج ہو، ضرورت مند ہو، میں بے نیاز ہوں میں عطا کرنے والا ہوں۔ میں جب تمہاری بات کروں گا، تمہارا تذکرہ کروں گا تو جود و سخا سے اور عطا سے کروں گا۔ تم زمین پر اہل زمین میں بیٹھ کر مجھے یاد کرو گے میں عرش بریں پر، اہل عرش میں تمہارا ذکر کیا کروں گا۔ تمہاری باتیں کیا کروں گا۔ بخاری شریف میں حدیث شریف موجود ہے کہ اللہ کریم نے کچھ ایسے فرشتے تخلیق کیے ہیں جن کی صرف یہ ذمہ داری ہے کہ جہاں ذکر الٰہی ہو رہا ہے۔ وہاں جائیں، ذکر میں شامل ہوں۔ اس سے مستفیض ہوں اور واپس بارگاہ الٰہی میں آ کر عرض کریں کہ تیرے فلاں فلاں بندے فلاں فلاں جگہ تیرا ذکر کر رہے ہیں۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ وہ زمین میں گھومتے رہتے ہیں، پھرتے رہتے ہیں، جہاں اللہ کا ذکر ہو رہا ہوتا ہے، کسی ایک کو خبر ہو جائے تو وہ سب کو آواز دیتا ہے کہ آ جاؤ یہاں اللہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ پھر وہ آتے جاتے ہیں، جتنا عرصہ ذکر ہوتا رہتا ہے وہ آتے رہتے ہیں، پچھلے اگلوں سے اوپر، پھر پچھلے اگلوں سے اوپر۔ فرمایا! بعض اوقات آسمانوں تک ان کی قطاریں لگ جاتی ہیں۔ ذکر ختم ہوتا ہے تو واپس پہنچتے ہیں تو پوچھا جاتا ہے۔ کیا دیکھا؟ عرض کرتے ہیں یا اللہ! تیرے بندے تھے، تیری رضا کے لیے تجھے یاد کر رہے تھے، تیری محبت میں تیرا نام لے رہے تھے۔ تیری بارگاہ میں سرخرو ہونے کے لیے تیرا ذکر کر رہے تھے۔ تو ارشاد ہوتا ہے کہ تم گواہ رہو ان سب کو بخش دیا گیا۔ تو کچھ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ بارالٰہا! کچھ لوگ تو واقعی تیری یاد کے لیے بیٹھے تھے۔ لیکن کچھ ایسے بھی تھے جنہیں ان میں سے کسی سے کام تھا وہ آئے تو آگے ذکر ہو رہا تھا وہ بھی خاموش ہو کر ساتھ بیٹھ گئے۔ وہ ذکر کے لیے نہیں آئے تھے ارشاد ہوتا ہے ھم قوم لا یشقی جلیسھم (بخاری)

یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا۔ جو بھی تھے سب کو بخش دیا۔ اپنے کام سے آیا تھا، کسی سے ملنے آیا تھا۔ ذاکرین کے پاس بیٹھ گیا۔ ''ھم قوم'' یہ ایسے لوگ ہیں ''لا '' ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا۔ بہت بڑی نعمت ہے ذکر الٰہی۔

میں نہیں سمجھتا کہ کوئی اس سے بڑی بات ذکر کے ضمن میں کہی جا سکی ہے جو اللہ نے ارشاد فرمائی فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ۔ کیا حیثیت ہے؟ اور آج کا انسان تو اس قدر رسوا ہو چکا ہے کہ جن کو ہاتھوں سے پالتا ہے وہ بھی اس کی شکل دیکھنا نہیں چاہتے۔ آج تو اولادیں یہ چاہتی ہیں کہ پاگل بڈھا کہیں مرجاتا، جان چھوٹ جاتی۔ اہل خانہ جن کی خدمتیں وہ ساری عمر کرتا ہے وہ بیزار ہو جاتے ہیں وہ مالک بیزار نہیں ہوتا۔ فرمایا اس نے کوئی قید نہیں لگائی۔ جوانی میں ذکر کرے، بڑھاپے میں ذکر کرے، پڑھا لکھا ذکر کرے، ان پڑھ ذکر کرے، مرد ذکر کرے، خاتون ذکر کرے، عالم ذکر کرے، جاہل ذکر کرے، فرمایا! جو مجھے یاد کرے گا میں اس کی باتیں کروں گا۔ کوئی قید نہیں لگائی۔ بڑے سے بڑا کوئی مقام سوچا نہیں جا سکتا کہ بارگاہ الوہیت میں اس رب کریم کی بارگاہ میں کسی کا ذکر ہو رہا ہو، اس کی بات ہو رہی ہو، اس پر تبصرہ ہو رہا ہو۔ اس سے بڑا مقام کوئی سوچا نہیں جا سکتا۔ لیکن اسکے اثرات، اس کے نتائج، فرمایا! وَاشْكُرُوْا لِيْ اگر تمہارے ذکر میں خلوص ہے اور تم رضائے باری کے لیے کر رہے ہو تو تمہیں شکر کی توفیق نصیب ہوگی۔

گزشتہ روز کے درس میں یہ بات گزری تھی کہ شکر کیا ہے؟ شکر کمال اطاعت کا نام ہے، شکر سے مراد انتہائی اطاعت ہے۔ پوری پوری اطاعت، عملاً بھی، قلبی طور پر بھی۔ پورے خلوص اور خشوع و خضوع سے اطاعت الٰہی کا نام شکر ہے۔ احباب کو بھی تجسس ہوتا ہے۔ میرے مقامات کتنے ہیں؟ میرے مراقبات کتنے ہیں؟ اچھی بات ہے ہونا چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے اگر بڑھنے کی لیکن بنیادی ٹیسٹ یہ ہے کہ اپنے کردار کو دیکھیں۔ اگر اس کا ذکر مقبول ہے تو کردار سدھرتا چلا جائے گا گناہ چھوٹتے جائیں گے، نیکی کی رغبت بڑھتی جائے گی۔ سب سے پہلا ٹیسٹ یہ ہے کہ میں کل کیا تھا؟ آج کیا ہوں! اگلے لمحے اب میری سوچوں میں کیا تبدیلی آئی۔ فرمایا! فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ میرا ذکر کرو میں تمہاری باتیں کروں گا۔ تم احتیاج سے، ضرورت مندی کے طور پر کچھ مانگنے کے لیے کرو گے، میں جب تمہاری بات کروں گا تو جود و سخا سے کروں گا، عطا سے کروں گا۔ اپنی نعمتوں سے کروں گا اور کیا یہ کم ہے؟ کہ اس بارگاہ میں کسی کی بات کی جائے۔ فرمایا! میرا شکر کرو، میری ناشکری نہ کرو، شکر سے مراد کمال اطاعت ہے۔ ناشکری نافرمانی ہے، جب بھی ہم اللہ کے حکم کیخلاف کرتے ہیں تو یہ بہت بڑی ناشکری ہے۔ اللہ کے ہر کام میں حکمت الٰہی پوشیدہ ہوتی ہے اور حکم کے مطابق ہر چیز کو جاری و ساری رکھتا ہے۔ خیر القرون میں تو ہر فرد ذاکر تھا۔ اس کے جسم کا ہر ذرہ ذاکر تھا۔ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وہ تو خوش بخت لوگ تھے۔ تبع تابعینؒ کے بعد اللہ کے خاص خاص لوگوں نے یہ سعادت حاصل کی۔ اور بڑے خوش نصیبوں کو ان سے استفادہ کرنے کی توفیق ہوئی۔ ذکر الٰہی تخلیق کائنات سے چل رہا ہے اور جب تک کائنات کی بقا ہے تب تک ذکر ہوتا رہے گا کسی نہ کسی صورت میں ہوتا رہے گا۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (بنی اسرائیل: 44) ہر چیز جس کو اللہ نے وجود دیا ہے وہ اللہ کا ذکر کرتی ہے حضور ﷺ سے عرض کی گئی کہ قیامت کب ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "حتی لا یقال فی الارض اللہ اللہ" اوکما قال رسول اللہ ﷺ (مسلم) جب کوئی اللہ کرنے والا نہیں رہے گا، کائنات ختم ہو جائے گی، قیامت قائم ہو جائے گی۔

تمام چیزیں فطری طور پر ذکر کرتی ہیں۔ انسان مکلف ہے یہ چیز نہیں ہے یہ فرد ہے۔ یہ مکلف ہے۔ اس کے سامنے دونوں راستے ہیں۔ غفلت کا بھی ذکر کا بھی۔ یہ خود فیصلہ کر کے اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ذکر کرتا ہے اس لیے اس کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ اور اس پر کائنات کی زندگی کا مدار ہے جب یہ چھوڑ دے گا تو کائنات ختم ہو جائے گی، یہ دیا بجھ جائے گا۔ ذکر اذکار کا یہ نظام چلتا رہا

لیکن یہ سعادت حضرت جیؒ کے حصے میں آئی کہ چودہ سو سال بعد پھر اسے، اسی ذکر کو خیر والقرون کے انداز میں اور سنت کے مطابق لے آئے کہ ہر آنے والا ذاکر ہو جائے، بچہ، بوڑھا، عورت، مرد، عالم، جاہل، امیر، غریب جو بھی آئے ذاکر ہو جائے۔ یہ نعمت خیر القرون میں تھی اور اس کے بعد خیر القرون سے لے کر پچھلی بارہ تیرہ صدیاں اللہ کے مخصوص بندے، اللہ کا ذکر کرتے تھے لوگ بزرگان دین کے ساتھ رہتے۔ اللہ اللہ کرنے والے مشائخ دنیا سے کٹ جاتے، حجروں میں رہتے، تنہائی میں رہتے، ذاکرین کو اللہ، اللہ کراتے۔ اسے پھر واپس سنت کے مطابق لوٹا دینے کا شرف حضرتؒ کو حاصل ہوا کہ لوگ گھروں میں رہیں، لوگ جہاد بھی کریں، لوگ تجارت بھی کریں، لوگ اولاد بھی پالیں، لوگ والدین کی خدمت بھی کریں، اپنا کاروبار بھی کریں اور رات دن اللہ اللہ بھی کریں، قلب بھی ذاکر ہو جائے، لطائف ذاکر ہو جائیں، وجود ذاکر ہو جائے اور کھال سے لے کر نہاں خانۂ دل تک ہر ذرۂ بدن ذاکر ہو جائے پھر یہ سنت زندہ ہو گئی۔ اللہ کریم کا ایک نظام ہے کہ دنیا میں نیکی اور بدی کا توازن رہتا ہے۔ جب برائی بڑھ جائے تو کسی کونے میں نیکی بھی بڑھا دی جاتی ہے۔ یہی توازن جب ختم ہوگا تو دنیا بھی ختم ہو جائے گی۔

کفر پھیلا، بالخصوص یہودیت کی سازشوں نے عیسائیت کو مسخ کر کے ذلیل کر دیا۔ اب عیسائیت کو یہ وہاں تک لے آئے ہیں کہ یہودی آج بھی خنزیر نہیں کھاتا کہ اس کی کتاب میں حرام ہے لیکن ساری عیسائیت کو خنزیر کھانے پر لگا دیا۔ یہودی عورتیں آج بھی پردہ کرتی ہیں۔ عیسائیوں کی آبرو اس نے طشت از بام کر دی۔ آج بھی جو ان کی کتاب میں حرام ہے۔ اس سے بچتے ہیں عیسائیوں کو سارے حرام پر لگا دیا۔ کیونکہ یہودیت کے بعد دین الٰہی اور اسلام جو تھا وہ عیسائیت تھی۔ اس کے بعد جب نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے عالم اسلام آیا تب سے لے کر آج تک ان کی ریشہ دوانیاں جاری ہیں اور وہ پوری کوششیں کرتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح ہر مسلمان کو گمراہ کیا جائے۔ اس کے خیالات خراب کیے جائیں، اس کے نظریات خراب کیے جائیں۔ شعوری غیر شعوری طور پر اس سے جھوٹ بلوایا جائے، اسے سود کھلایا جائے اسے حرام پہ لگایا جائے اور بے شمار مسلمانوں کو بھی انہوں نے عیسائیوں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے کہ حرام کھانے سے نہیں چوکتے، جھوٹ بولنے سے نہیں چوکتے، سود کھاتے ہیں، سود لیتے ہیں، سود دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ لوگوں کے لباس سے حلیے تک بدل دیے ہیں۔ اب جب کہ یہ برائی عروج پر ہے۔ اللہ کریم نے حضرتؒ کو یہ توفیق بخشی ان پر خاص عطا فرمائی۔ انہوں نے اس نعمت کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ مسلمانوں کو خراب کرنے یہاں تک آئے تھے اب ہم وہاں تک، ان کے گھروں تک الحمدللہ ان کا اللہ اللہ سے پیچھا کر رہے ہیں۔ اس وقت الحمد للہ روئے زمین پر اللہ اللہ کرنے والے اور ذاکرین زمین پر موجود ہیں۔ یہ اللہ کا احسان ہے اس میں ہمارا کمال نہیں۔ یہ اس کا اپنا نظام ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس نے یہ سعادت ہمیں عطا کر دی کہ یہ اس کی اپنی عطا ہے تو آپ اس سارے معاملے کو معمولی نہ سمجھیں یہ بقائے امت کے لیے آخری دوا ہے۔ کوئی ساتھی جو چند لمحے خود اللہ اللہ کرتا ہے یا کسی کو اللہ اللہ پہ لگا دیتا ہے تو اس نے بقائے امت کے لیے چند اینٹیں اس عمارت میں لگا دیں یہ کوئی چھوٹا کام نہیں ہے۔

ہم چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے اجتماعات سے رہ جاتے ہیں کہ وہ کام رہتا ہے، اس کی فرصت نہیں۔ باپ کو کھانسی آ گئی، ماں کو بخار ہو گیا۔ ماں کا بخار بھی اتر جائے گا، باپ کی کھانسی بھی ٹھیک ہو جائے گی۔ لیکن ذکر کا وقت گزر گیا تو اگلا وقت اگلے وقت کے لیے ہوگا، پچھلا نہیں آئے گا۔ کام ضروری ہیں، کام کیے جائیں، والدین کی خدمت سب سے زیادہ ضروری ہے، اولاد کی تربیت بہت ضروری ہے۔ اہلخانہ کی پرورش ضروری ہے لیکن کاموں میں سے ہی فرصتیں

بھی نکالی جاتی ہیں۔ اہتمام کیا جاتا ہے، ترتیب بنائی جاتی ہے کہ فلاں دن وہ کام ہے، فلاں دن وہ کام ہے اس میں دو گھنٹے ہیں، چار گھنٹے ہیں، دس گھنٹے ہیں اتنا وقفہ نکل سکتا ہے اتنا میں حاضر ہو سکتا ہوں۔ کیونکہ یہ چھوڑ دینے والی بات نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ بندہ نیکی کرے اور اللہ اللہ ہو گئی ٹھیک ہے جب نماز پڑھ لی، نیکی کی تو ٹھیک ہے۔ قرآن کریم کا طرز تخاطب یہ ہے کہ جب تک کوئی اللہ اللہ نہیں کرتا نیکی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ کوئی توفیق شکر یعنی نیکی بھی تب نصیب ہوتی ہے جب تم اللہ کو یاد کرتے ہو اللہ کا ذکر کرتے ہو۔ تو ذکر سے باہر رہ کر شائد نیکی بھی کبھی ہم دکھاوے کے لیے کر لیتے ہوں گے، کبھی شہرت کے لیے کر لیتے ہوں یا اس سے کسی دنیاوی فائدے کی امید ہوتی ہو گی تو کر لیں گے۔ نیکی، نیکی کے لیے کرنا، رضائے باری کے لیے کرنا، نیکی آخرت کے لیے کرنا، نیکی مغفرت کے لیے کرنے کی بنیاد ذکر پر ہے۔ وَلَا تَكْفُرُوْنِ اور ناشکری سے بچو۔ ناشکری نہ کرو، کفر نہ کرو۔ عدم اطاعت نہ کرو۔ نیکی کرنے کی توفیق اور گناہ سے بچنے کی توفیق ذکر الٰہی سے نصیب ہوتی ہے تو جب کفر کی تاریکیاں اور طوفان بڑھے تو رب کریم نے اس کے آگے ذکر کا بند باندھ دیا۔ ساری تاریخ تصوف پڑھ لو۔ لوگ جنگلوں میں جا کر حجروں میں چھپ کر، علیحدگی میں بیٹھ کر، لوگوں سے چوری ذکر کیا کرتے تھے۔ اور یہ تو ہمیں مسلمان بھائی بھی کہتے ہیں کہ تم نے کیا تماشہ بنا دیا کہ ہر بندہ ہر جگہ ذکر کر رہا ہے۔ ارے بھئی ہم نے کیا بنانا تھا۔ جس نے یہ سارے تماشے بنائے ہیں اسی نے یہ تماشا بھی بنا دیا۔ کام اسی کا ہے نام ہمارا ہے۔ اور یہ بڑی سعادت ہے کہ اس سعادت کے لیے اس نے ہمیں توفیق بخشی۔ خواتین و حضرات، بچیاں، بچے، ہر ذاکر اسلام کا محافظ بنا ہوا ہے اس گھڑی، یہ اسلام کا سپاہی ہے۔ دین کے تحفظ کا کام اپنی حیثیت کے مطابق کر رہا ہے۔ یہ حیثیت اس کی ذاکرین کے علاوہ الگ سے ہے یہ دوسری حیثیت ہے اس کی کہ وہ بقائے امت کی جدوجہد میں شامل ہے۔ اللہ کریم نے احسان فرمایا! اس وقت بھی چھپن، ستاون کے قریب مسلمان ریاستیں ہیں۔ آپ دنیا کا نقشہ لے کر بیٹھ جائیے اور ذرا اس بات پر غور فرمائیے۔ کہ یہ ریاستیں کن علاقوں میں ہیں۔ سارا عالم اسلام وہ ہے جس زمین کو صحابۂ کرام نے فتح کیا۔ آج کے مسلمانوں کی محنت نہیں ہے۔ ان کے ذاکر وجودوں کی برکت ہے کہ اس زمین سے پھر مسلمانوں کا اقتدار مٹایا نہ جا سکا۔ یہ ساڑھے چودہ سو سال کی تاریخ ہے۔ روئے زمین کا نقشہ سامنے رکھ کے دیکھ لیں خلفاء راشدین صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، کے عہد میں جو علاقے فتح ہوئے تو ان پر آج بھی اسلامی حکومتیں ہیں۔ اللہ نے برصغیر میں پاکستان کا وجود بخشا اور بہت انعام کیا، بہت مہربانی فرمائی، بہت کرم کیا۔

ہماری اور ہمارے اہل دانش جو خود کو دانشور کہتے ہیں یا حکمران طبقے کو دیکھ لیجئے ہماری حیثیت کیا ہے؟ ہمیں کہا جاتا ہے کہ تم آزاد ہو، سن سنتالیس 1947ء میں آزادی مل گئی۔ قوموں کی آزادی ہوتی کیا ہے؟ قومیں وہ آزاد ہوتی ہیں جو اپنی زندگی اپنی پسند کے مطابق بسر کر سکیں۔ جن پر کسی کا کوئی تسلط یا قبضہ مرئی یا غیر مرئی نہیں ہوتا وہ اپنی زندگی آزادانہ اپنے نظریے، اپنے عقیدے، اپنی خواہش کے مطابق بسر کرتی ہیں، ہم کتنے آزاد ہوئے؟ برصغیر پر اسلام اور مسلمانوں کی حکومت تھی جو صدیوں جاری رہی اور مسلمانوں نے اسلامی قانون رائج کیے۔ عدالتیں شرعی تھیں۔ ادارے شرعی تھے۔ تعلیم و تعلّم اسلامی تھا۔ ہر ایک کو اس کی حیثیت کے مطابق حصہ ملتا تھا۔ انصاف ہوتا تھا۔ انگریز نے جب برصغیر پر قبضہ کیا۔ سارے نظام کی بساط لپیٹ دی اور اس نے اپنا ایک سیاسی نظام بنایا۔ اپنا ایک تعلیمی نظام بنایا۔ جزا و سزا کا و عدلیہ کا سارے نظام کا متبادل اس نے دیا۔ اور وہ جو انگریز نے دیا وہ کیا تھا وہ غلاموں کے لیے غلامانہ نظام تھا کہ غلاموں کو کس طرح قابو رکھا جائے۔ غلاموں سے کس طرح خدمت لی

جائے۔ کس حد تک انہیں کھانا پینا، سانس لینے کی اجازت دو کہ اس سے اوپر وہ نہ جاسکیں۔ پون صدی بیت گئی وہی نظام جو انگریز نے دیا تھا۔ وہی زنجیریں جن میں ہمیں انگریز نے جکڑا تھا۔ وہی زنجیریں ہیں اور ہمارے حکمرانوں کا کوڑا ہے کسی میں اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ پینل کوڈ ہی بدل دیتا۔ تعلیم کا وہ نظام بدل دیتا۔ عدالتوں کی اصلاح کرتا۔ سیاسی نظام کی اصلاح کرتا۔ کیا خاک آزادی ہے! ہاں اتنی آزادی ضرور ہوئی، زنجیریں وہی ہیں، قید تنہائی وہی ہے، کوٹھڑی وہی ہے، چوکیدار بدل گئے ہیں بس پہلے باہر انگریز کھڑے ہوتے تھے اب ہمارے ہم وطن کھڑے ہوتے ہیں۔ باقی نظام تو وہی ہے۔ کون پوچھتا ہے؟ پٹرول کی قیمت دس روپے بڑھا دو کس سے پوچھ کر بڑھاتے ہیں۔ کون پوچھتا ہے بجلی پر اتنے یونٹ اور بڑھا دو۔ جنہوں نے اربوں روپے بینکوں سے لے کر کھا لیے۔ ان سے کوئی نہیں برآمد کرتا۔ جنہوں نے اربوں کے سرکاری منصوبے بنوائے وہ اربوں روپے ہڑپ کر کے بیٹھ رہے۔ ایک عدلیہ کوئی کھینچا تانی کرتی ہے۔ یہ کیوں ہوا وہ کیوں ہوا؟ لیکن کیا ہوتا ہے؟ اس لیے جب تک حکومت اور ادارے نہ کریں تو عدلیہ لکھ پڑھ ہی سکتی ہے ایک آرڈر ہی لکھوا سکتی ہے۔ عدلیہ نے کسی کا ہاتھ پکڑ کر یا صندوق کھول کر پیسے تو نہیں نکالنے۔ تو وہ ایک شور مچا رہتا ہے عدلیہ نے یہ کر دیا، عدلیہ نے وہ کر دیا۔ لیکن حکمران جو کھا گئے وہ ان کے بھائی ہیں خواہ مخالف پارٹی میں ہیں، لیکن ہیں تو سیاستدان ہی۔ انہیں چھوڑو، عوام کو نچوڑو جو نیچے پڑے ہیں۔ یہ کون سی آزادی ہے۔ لیکن پھر بھی ہم پر اس ملک کا تحفظ واجب ہے۔ یہ اللہ کی امانت ہے، ایک وقت آئے گا یہ حالات بھی بدلیں گے یہ قانون بھی بدلے گا۔ یہ غلامی کی زنجیریں ٹوٹیں گی۔ آزادی ہوگی انشاء اللہ یہ ملک پھلے پھولے گا بلکہ یہ سارے ہندوستان کو پاکستان بنا دے گا۔ وہ وقت آرہا ہے۔ نعروں کی دنیا نہیں ہے یہ عمل کی دنیا ہے۔ عمل سے ثابت کرو۔ نعرے تو لگائے جاتے ہیں جوش میں لیکن عمل اور چیز ہے۔ عمل سے ثابت کرو انشاء اللہ یہ ملک ہمیشہ قائم رہے گا۔ اگرچہ جن لوگوں کو گمنامی سے نکال کر اس ملک نے شہرت کی چوٹیوں پر بٹھا دیا وہ آج اس ملک کے بارے کہہ رہے ہیں اور پہلے بھی کہتے رہتے ہیں۔ اب کہتے ہیں مسلم امت کا ٹائی ٹینک ڈوب رہا ہے۔ یعنی مسلم امہ ہی نابود ہونے والی ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ مسلم امہ جب نابود ہوگی تو دنیا نابود ہو جائے گی۔ پھر کچھ نہیں بچے گا۔ جب اسلام ختم ہوگا تو کائنات ختم ہوگی پھر کچھ نہیں بچے گا۔ تو ان لوگوں کے نعروں سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو کل تک کوئی کھلاڑی تھا، کوئی بھکاری تھا، آج انہیں اس ملک نے انہی لوگوں نے، اللہ نے انہیں توفیق دی آج یہ اونچے رتبوں پر آگئے تو اب یہ کہتے ہیں کہ پاکستان ہی نہیں مسلم امہ کا ہی ٹائی ٹینک ڈوب رہا ہے۔ چلو! بات ختم ہوگئی یہ مسلم امہ نہ ہوتی تو تم ان شہرت کی بلندیوں پر کیسے جاتے۔ لیکن ہمیں ان کی بات کو آسان بھی نہیں لینا چاہیے۔ اس لیے کہ جو لوگ یہ دعوے کرتے ہیں۔ پس پردہ اپنے کردار سے اس کام پر لگے ہوئے ہیں کہ یہ کرنا ہے۔ جو لوگ دین کی تباہی اور مسلمانوں کی بربادی کا سوچتے نہیں ان کی زبان سے ایسے الفاظ نکلتے بھی نہیں۔ تو ان کی ان لغویات سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ انشاء اللہ ان کے منہ میں خاک ہوگی۔ دین غالب ہوگا، یہی ملک آزاد ہوگا اور اس پر دین کی حکومت ہوگی۔ انشاء اللہ اور یہ دنیا میں نشاۃ ثانیہ کا سبب بنے گا، دین روئے زمین پر پھیلے گا انشاء اللہ غزوہ ہند کی بشارت اسی لیے ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے ارشادات موجود ہیں۔ اس میں نہیں جاتا بات لمبی ہو جائے گی۔

بہرحال ہمیں اپنے کردار سے، اپنی اصلاح کرنی ہے۔ اپنے کردار کی اصلاح کرنی ہے۔ دین کو سیکھنا ہے اور دین کو برتنا ہے۔ دین جینے کے لیے ہے، برتنے کے لیے ہے، صرف ماننے کے لیے نہیں ہے۔ دین کو اپنے آپ پر نافذ کرنا ہے۔ اگر ایک بندے نے اپنے آپ پر نافذ

کرلیا تو اس نے پاکستان کے بیس کروڑویں حصے پر تو نافذ کرلیا۔ محنت کریں اس مرض کی دوا یہی ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس دعوت کو عام کریں لوگوں کو اللہ کے ذکر پہ لگائیں۔ لوگوں کو توبہ کی توفیق ہو۔ گناہ سے باز آئیں۔ لوگ نیکی کریں انصاف پر عدل پر قائم ہوں۔ کفر بھی بڑے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ کہیں سے اس نے دہشتگردی کا بھوت کھول دیا۔ کہیں سے اس نے چوری چکاری اور ڈاکے شروع کردیے۔ کہین سے اس نے سیاستدانوں کو لوٹ پر لگا دیا۔ لیکن مخالف پر تو شکوہ نہیں کیا جاسکتا کہ تم کیوں مخالفت کررہے ہو۔ اپنوں سے شکوہ کیا جاتا ہے کہ تم کیوں سو رہے ہو؟ دفاع کرنے والوں کو بھی تو بیدار ہونا چاہیے۔ اب مصیبت یہاں بنتی ہے جب ہم دوسروں کے لیے نصیحت کرتے رہتے ہیں خود عمل نہیں کرتے نصیحت کے بجائے خود عمل شروع کرو۔ دوسرے بھی کریں گے انشاءاللہ تو اللہ کریم کا یہ انعام ہے کہ اس نے اپنے کچھ بندوں کو اپنی یاد کی سعادت بخشی اور یہ انقلاب کی بنیادی اینٹیں ہیں۔ مجھ سے پچھلے دنوں بھی ساتھی پوچھ رہے تھے کہ الاخوان کہیں نظر نہیں آرہی۔ کام نہیں کررہی۔ میں نے کہا یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ الاخوان تو اپنا کام ملکی سطح سے بڑھا کر بین الاقوامی سطح پر لے گئی ہے اب اخباروں میں آنا یا نہ آنا یہ الگ بات ہے۔

اخباروں میں جو کچھ آتا ہے وہ سارا سچ بھی نہیں ہوتا اور جو آتا ہے وہ ویسا ہی نہیں ہوتا۔ ہوتا کچھ اور ہے آتا کچھ اور ہے۔ سمجھا کچھ اور جاتا ہے اس کی ہمیں ضرورت بھی نہیں ہے اور نہ شہرت کی ہے۔ ہمارا کام اللہ کے ہاں رجسٹر ہو رہا ہے۔ ریکارڈ ہو رہا ہے اور اس کے نتائج بھی مرتب ہو رہے ہیں اور انشاءاللہ ایک وقت آئے گا کہ آپ دیکھیں گے کہ محنت کامیاب ہوگی انشاءاللہ۔ تو میری گزارش یہ ہے۔ ذکر اپنی اصلاح کے لیے بھی ہے۔ ذکر اللہ کی یاد کے لیے بھی ہے۔ ذکر آخرت سنوارنے کے لیے بھی ہے لیکن یہ ذکر بقائے امت اور بقائے دین کا سبب بھی ہے۔ اس لیے اس میں سستی نہ کیجیے۔ محنت کیجیے۔ برکات حاصل کیجیے۔ اور ان کو بانٹنے اور پھیلانے کی سعادت حاصل کیجیے بالآخر یہی لوگ انقلاب اسلامی کا سبب بنیں گے انشاءاللہ اسلام وہی لائے گا جس نے پہلے اپنے اوپر اسلام نافذ کیا ہو۔ اللہ کریم سب احباب کو خواتین و حضرات کو توفیق دے۔ آمین حاضر وغائب سب کی محنت قبول فرمائے۔ سب کو اپنے کرم سے اعلیٰ درجات سے نوازے۔ آمین۔ ان محفلوں کو قائم رکھے، ان اداروں کو آباد رکھے۔ آمین۔ جو لوگ اس محنت میں ہمارے رفیق کار تھے اللہ کی بارگاہ میں چلے گئے۔ اللہ ان پر بے پناہ کرم فرمائے اپنی رحمت سے نوازے۔ ان کی جدوجہد قبول فرمائے اور انہیں غزوۃ الہند کے مجاہدین میں شامل فرمائے، آمین۔ جو شریک سفر ہیں اللہ سب کو کامیاب کرے اور جذبہ ایمانی، خلوص اور لگن سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حاضر وغائب سب کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اللہ کریم یہ رونقیں آباد رکھے۔ اور انشاءاللہ آباد رہیں گی بڑھیں گی، ترقی کریں گی۔ انشاءاللہ

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

ضرورت رشتہ

1:۔ ہماری بیٹی Ms.Management (فائنل ایر) انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، خوبصورت، سلیقہ شعار عمر 24 سال۔

2:۔ ہماری بیٹی Bsc. Sofware Engineering سرگودھا یونیورسٹی، خوبصورت، سلیقہ شعار، عمر 22 سال

کے لئے برسرروزگار تعلیم یافتہ رشتے درکار ہیں۔

سلسلۂ عالیہ سے منسلک اشخاص کو ترجیح دی جائے گی۔

رابطہ:۔ 0333-7803566

شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اکرم التفاسیر

سورۃ ھود۔ آیات 6 تا 11

أَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ۔

وَ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا وَ یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّھَا وَ مُسْتَوْدَعَھَا کُلٌّ فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ o۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ کَبِیْرٌ o

وَ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ زمین پر چلنے پھرنے والی مخلوق اور جتنے بھی جان دار ہیں خواہ کوئی بڑا ہے یا چھوٹا، قد آور ہے یا چھوٹے قد کا، کوئی بھی، صرف انسان نہیں ہر جاندار جو زمین پر ہے اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا سب کا رزق اللہ کریم کے ذمہ ہے۔ خود اللہ کریم جس نے مخلوق کو پیدا فرمایا ہے۔ اس نے ساری مخلوق کے رزق کا ذمہ بھی لے لیا ہے ایسا نہیں ہوسکتا کہ خالق پیدا فرما کر چھوڑ دے اور وہ کوئی اپنا پالنے والا ڈھونڈتا پھرے۔ اسی ذات بے ہمتا نے اس کا رزق اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ رزق میں ہر وہ نعمت شامل ہے جو مخلوق کو چاہئے ہوتی ہے۔ ساری مخلوق کا وجود چھوٹے، چھوٹے سیل جوڑ کر بنا ہے۔ ہر سیل کا دوسرے سیل سے رابطہ رہتا ہے، تعلق ہے سپورٹ ہے۔ جس طرح آپ ایک بہت بڑی عمارت چھوٹی چھوٹی اینٹوں سے بناتے ہیں۔ اسی طرح ہر مخلوق کا وجود چھوٹے چھوٹے سیلوں سے بنا ہے۔ ایک انسانی وجود کے اندر دس کھرب سیل ہیں۔ اگر کسی کا قد زیادہ بڑا ہے تو اس کے سیل بڑے ہیں۔ کسی کا قد چھوٹا ہے تو اس کے سیل چھوٹے ہیں۔ بچہ ہے تو اس کے سیل چھوٹے ہوتے ہیں۔ جوں جوں بڑھتا ہے۔ سیل بڑے ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن تعداد وہی رہتی ہے۔ دس کھرب سیل ہیں ان دس کھرب میں سے کسی سیل کی عمر چھ مہینے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ چھ مہینے کے اندر اندر سارے تبدیل ہوجاتے ہیں ایک سیل مرجاتا ہے اس کی جگہ نیا آجاتا ہے ایک انسان کے اندر چھ مہینے کے اندر اندر دس کھرب موتیں ہوتی ہیں۔ اور دس کھرب نئے سیل آتے ہیں۔ اللہ کریم کے سوا کوئی ایسا نہیں کرسکتا۔ رزق صرف کھانا پینا، مال و دولت ہی نہیں ہے ہر وہ نعمت جو اللہ کریم سے ملتی ہے ہم دیکھتے ہیں، ہم سنتے ہیں، ہم بولتے ہیں، ہم سانس لیتے ہیں، دل دھڑکتا ہے۔ معدہ اپنا کام کرتا ہے۔ ہاتھ پاؤں اپنا کام کرتے ہیں، نظر اپنا کام کرتی ہے۔ یہ سارا رزق جو مسلسل اللہ کی طرف سے ملتا رہتا ہے۔ مال و دولت، اولاد، گھر بار، عزت آبرو یہ بھی اللہ کا دیا ہوا رزق ہے۔ عہدہ، مرتبہ، علم و دانش، مقامات و منازل، دین و ایمان، نیکی کی توفیق یہ سارا رزق ہے جو اللہ کی طرف سے ملتا ہے کائنات کا نظام ایسا ہے کہ اس خالق بے مثل نے چیزوں کو چیزوں کے ساتھ جوڑ کر ترتیب دے دیا ہے۔ اور دنیا کو عالم اسباب بنا دیا ہے۔ لہٰذا حصول رزق کے لئے اسباب اختیار کرنا پڑتے ہیں۔ یہ انسان کی ذمہ داری ہے اور اسباب پر نتائج وہ پیدا کرتا ہے۔ نتائج ہمیشہ وہی ہوتے ہیں جو اللہ کریم کی طرف سے ہوتے ہیں۔ ثمرات من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ اسباب اختیار کرنا پڑتے ہیں۔ یہ بڑا عجیب معاملہ ہے۔ ترک سبب بھی جائز

نہیں اور سبب پر ہی بھروسہ کر لینا کہ اسی سے مجھ کو ملے گا یہ بھی جائز نہیں۔ اسباب کو اطاعت الٰہی کے لئے اختیار کرنا یہ بھی عبادت ہے اس پر نتیجہ اور ثمر کیا مرتب ہوتے ہیں یہ اس کی عطا ہے۔ اس کی مرضی۔ جس طرح سے دنیوی رزق کے لئے اسباب بنائے ہیں اسی طرح سے ابدی زندگی اور آخرت کے اسباب بنائے ہیں۔ سب سے پہلی بنیاد ہے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا کہ ہمیں اللہ کا پتا بھی وہیں سے ملے گا۔ انہیں کی بارگاہ سے۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتایا کہ اللہ واحد ہے، لا شریک ہے، خالق ہے، کریم ہے، رحیم ہے۔ پھر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اطاعت کرو نافرمانی نہ کرو۔ یہ بھی اسباب ہیں جب انسان یہ اسباب اختیار کرے گا تو مولا کریم اس کی کوتاہیاں، کمیاں، غلطیاں معاف فرما کر اُسے آخرت کی کامیابی سے ہمکنار کر دے گا۔ اب کوئی کہتا ہے میں اللہ کے رسول ﷺ کو مانتا ہی نہیں تو نہ مانے۔ اللہ کا کیا بگڑے گا، کچھ بھی نہیں لیکن اس کا وہ رزق جو اطاعت نبوت اور ایمان بالرسالت اور ایمان باللہ پر ہے وہ رک جائے گا۔ دنیا میں جانوروں کی طرح کھاتے پیتے رہو گے، بچے دیتے رہو گے۔ جب آخرت میں جاؤ گے تو تہی دست ہو گے۔ نہ صرف تہی دست بلکہ گرفتار بلا ہو جاؤ گے کہ میں نے اتنی نعمتیں عطا کیں اور تم شکر بھی ادا نہ کر سکے۔ تم نے مجھے ماننے سے بھی انکار کر دیا۔ تو یہاں یہی ارشاد ہو رہا ہے کہ جو دنیا کا رزق ہے اس کا ذمہ تو اللہ نے لے لیا۔ کوئی اسباب اختیار نہ کرے۔ اسے بھی پہنچتا ہے۔ اس کا اسباب اختیار نہ کرنا عدم اطاعت ہے، گناہ ہے، جرم ہے لیکن اس کا رزق بند نہیں ہوتا اس کی سانس نہیں رکتی، اس کے دل کی دھڑکن نہیں رکتی۔ اس کے اعضاء جواب نہیں دے جاتے۔ اسے دانہ پانی کھانا پینا ملتا رہتا ہے۔ اور اگر کوئی عقلمندی کرے اور اللہ اسے توفیق دے اور اللہ کریم کی اطاعت کرے۔ اللہ کے حبیب ﷺ کی اطاعت کرے تو اس دنیا میں بھی زندگی سکون میں گزارے گا، آخرت میں بھی کامیاب ہو جائے گا۔ آخرت کا اللہ نے ہر بندے سے وعدہ نہیں کیا۔ آخرت کا وعدہ اطاعت گزاروں سے کیا ہے۔ نافرمانوں سے نہیں۔ دنیاوی رزق کے لئے کوئی قید نہیں رکھی۔ نیک ہے یا بد ہے، اُس کا جو رزق مقرر ہے وہ اسے ملے گا۔ انسان ہے یا حیوان، جانور ہے یا پرندہ، جو کوئی مخلوق ہے چلنے پھرنے والی۔ اس کی دنیاوی روزی اس تک پہنچتی ہے۔ جو لوگ ناجائز ذرائع استعمال کرتے ہیں، رشوت لیتے ہیں، جواء کھیلتے ہیں، سود کھاتے ہیں۔ ڈاکے ڈالتے ہیں، چوریاں کرتے ہیں۔ اگر یہ نہ بھی کریں تو ان کا حلال رزق ان تک پہنچے گا۔ اگر یہ حلال وسائل اختیار کریں اور اگر ڈاکے ڈالیں گے تو بھی ان کے حصے میں وہی آئے گا جو ان کا نصیبہ ہے۔ ساری زندگی لوٹ لوٹ کر، رکھ کر مر جائیں گے۔ ان کا کیا ہو گا ان کے ساتھ تو نہیں جائے گا۔ یہ وہی دانہ کھا سکیں گے جو ان کے حصے کا ہے اور عجیب بات ہے کہ دنیا کا رزق جو عام ہے اور رب کریم نے انسانوں، جانوروں، درندوں، پرندوں، آبی جانوروں، ہوائی جانوروں جنوں سب کے رزق کا ذمہ خود لے رکھا ہے اس کے لئے تو ہم سب ہر وقت کوشاں ہیں اور آخرت کا رزق جس کا مدار ہمارے ایمان و یقین اور اعمال و کردار پر ہے، وہ کہتے ہیں! اللہ کریم ہے، ہو جائے گا۔ یعنی جہاں زندگی ختم نہیں ہونی، ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے لئے ہم مکلف ہیں۔ جو ہمارے ذمہ ہے، اس کیلئے ہم بےفکر ہیں۔ اور جس کا ذمہ اللہ کریم نے لے لیا ہے اس کی فکر ہمیں کھائے جا رہی ہے۔ فرمایا! وہ ایسا علیم و خبیر ہے وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا۔

وہ ہر وجود کا جس کو وہ پیدا کرتا ہے اس کا عارضی ٹھکانہ اور مستقل ٹھکانہ بھی جانتا ہے۔ انسان کا بدن زمین پر پھیلا ہوا ہے۔ پتہ نہیں ایک وجود کے اجزاء کہاں کہاں پر منتشر ہیں۔ سمجھ نہیں آتی مر

کرشائد اتنا منتشر نہ ہو جتنا پیدا ہونے سے پہلے ہے۔ کسی مٹی کو گندم کا روپ دیتا ہے۔ کسی کو کسی اور غذا کا۔ کوئی کماد بنتا ہے، کوئی چینی بنتی ہے، کہیں سے چاول آتے ہیں۔ کہیں سے گرم مصالحے آتے ہیں۔ پتہ نہیں کہاں کہاں کے مٹی کے ذرات کس کس شکل میں آتے ہیں۔ کہیں گھاس بنتی ہے۔ کوئی جانور اسے چرتا ہے پھر اس کا گوشت بنتا ہے وہ انسان تک آتا ہے۔ دودھ، مکھن، گھی آتا ہے اسی طرح اصل میں یہ سارے وہ باڈی سیل ہیں جو پوری دنیا سے سفر کر کے اپنے اپنے مقام تک پہنچتے رہتے ہیں۔ کہیں گھی کی صورت میں، کہیں دودھ کی صورت میں، کہیں گوشت کی صورت میں، کہیں جانوروں سے، کہیں پھل کی صورت میں، کہیں غذاؤں کی صورت میں، کہیں دواؤں کی صورت میں وہ ایک ایک سیل جمع ہوتا رہتا ہے۔ غذا ایک شخص کھاتا ہے۔ اس غذا میں اس کے اپنے سیل بھی ہوتے ہیں جو اس کے اپنے وجود کے سیل بن جاتے ہیں۔ اس کی اولاد کے لئے بھی سیل ہوتے ہیں جو اس کے صلب میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ غذا ماں کھاتی ہے سیل اولاد کے بھی ہوتے ہیں جو اس کے خون میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ بچہ باپ کے صلب سے منتقل ہوتا ہے تو ایک عارضی ٹھکانے میں تھا۔ ماں کے پیٹ میں چلا گیا۔ غذا ماں کھاتی ہے۔ وجود دونوں بن رہے ہوتے ہیں۔ ماں کے اپنے سیل اس کے اپنے وجود کا حصہ بنتے ہیں۔ بچے کے سیل بچے کے وجود کا حصہ بنتے ہیں۔ وہ ٹھکانہ بھی عارضی تھا۔ دنیا میں آ گیا۔ وہی چیز دہرائی جا رہی ہے۔ دنیا میں بھی عارضی ٹھکانہ ہے۔ برزخ میں چلا جائے گا۔ اب دنیا سے جب جائے گا تو دار العمل ختم ہو جائے گا۔ اسباب ختم ہو جائیں گے اب ثمرات شروع ہو جائیں گے۔ جو کیا تھا اس کے نتائج شروع ہو جائیں گے۔ برزخ میں، میدان حشر میں، پھر قیامت میں فیصلہ ہو گا۔ جو خوش نصیب جنت میں پہنچ گئے، ہمیشہ موج کریں گے۔ جو گرفتار عذاب ہوں گے وہ اللہ جانے۔ اور اس کی مخلوق جانے۔ تو یہ جو اتنا لمبا سفر ہے خاکی ذرات سے لے کر وجودوں کے بننے کے بعد مختلف مراحل سے گزار کر آخرت تک پہنچنے کا اس میں بڑے عارضی ٹھکانے ہیں جبکہ آخرت اصل مستقل ٹھکانہ ہے۔ فرمایا! وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا اس کے آخری ٹھکانے، مستقل رہائش کا بھی اللہ کو پتہ ہے وَ مُسْتَوْدَعَهَا اور اس کے ان عارضی ٹھکانوں کا بھی پتہ ہے۔ جہاں جہاں وہ ہے۔ وہاں وہاں اس کی ضرورتیں پوری کی جا رہی ہیں۔ اس کا رزق اسے پہنچ رہا ہے۔ اور فرمایا! یہ تو کوئی بڑی بات نہیں۔ حیران ہونے کی ضرورت نہیں كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ یہ سب کچھ تو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، لوح محفوظ اتنی وسعت کے باوجود محدود ہے اور علم الٰہی کی کوئی حد نہیں۔ علم الٰہی تو ناپیدا کنار ہے۔ علم الٰہی کے مقابلے میں تو اس کی کوئی حیثیت نہیں اللہ کریم کا علم تو بے حساب ہے اس کی تو کوئی حد نہیں، کوئی حساب نہیں۔ اس کا معنیٰ یہ ہے مطلب یہ ہے، مقصد یہ ہے کہ انسان کو اسباب اختیار کرنے چاہئیں بھروسہ اللہ پر رکھنا چاہیے۔ اور دنیا کے لئے جتنے وسائل اختیار کرتا ہے۔ اس سے زیادہ آخرت کے لئے محنت کرنی چاہیے۔ وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وہی ذات بے ہمتا جس نے چھ دنوں میں زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کر کے مکمل فرما دیا اللہ آن واحد میں پیدا کر سکتا تھا۔ اس کی قدرت کے لئے کیا مشکل ہے لیکن فرمایا! چونکہ اس عالم کا نظام ایسا ہے کہ اس میں ترتیب بھی رکھی گئی ہے۔ چیزوں کا ایک دوسرے سے تعلق اور رشتہ اور بننے اور پہنچنے کے اوقات ہیں۔ اسی ترتیب سے اس ذات قادر مطلق نے خود بھی کام لیا ہے۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ جہاں قدرت نے ترتیب مقرر فرما کے انسانوں کو اس کا پابند کیا ہے وہاں خود بھی ترتیب کو، اسباب کو نہیں چھوڑا۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے، اکیلی ماں سے پیدا فرمایا لیکن ترک سبب نہیں کیا قدرت نے حضرت جبرائیل امین کو حکم دیا کہ آپ جا کر مائی صاحبہ کو دم کر دیں انہوں نے حضرت مریم کو دم

کیا۔ جو بغیر والد کے پیدا فرمانے پر قادر ہے وہ کوئی جبرائیل امین کے دم کا محتاج تھا۔ دم کرانے کی کیا ضرورت تھی ضرورت یہ تھی کہ جب سارے عالم کو اسباب کے ساتھ متعلق فرمادیا تو قادر مطلق خود بھی اسباب کو ترک نہیں فرماتا۔ یہ جو لوگوں نے ایک غلط تصور بنالیا ہے کہ فلاں شخص کچھ نہیں کرتا کوئی کام نہیں کرتا اور بیٹھا کھاتا رہتا ہے اور لوگ اسے پیسے دیتے رہتے ہیں کہ بڑا ولی اللہ ہوگیا ہے۔ وہ کیسے ولی اللہ ہوگیا جبکہ وہ کرتا کچھ نہیں۔ کچھ نہ کرنا تو نافرمانی ہے۔ اللہ کی نافرمانی سے تو ولائت اور دوستی نہیں ملتی، ہر بندہ مکلف ہے جو کچھ وہ کرسکتا ہے وہ اسباب اختیار کرے اور امتحان ہی یہی ہے کہ وہ اسباب جائز اختیار کرتا ہے یا ناجائز کرتا ہے۔ سو وہ قادر مطلق ہے جس نے چھ دنوں میں زمینوں اور آسمانوں کو آباد کیا۔ ان میں فضائیں بنائیں ان میں روئیدگی رکھی۔ ان میں کیا کیا خزانے سمو دیے۔ کتنے گھاس، درخت، پھول، پھل غذائیں ادویات کیا کیا اس نے نکال دیا ہے۔ انہیں دنوں میں اس نے، اسے مکمل کر دیا گیا۔ اسی طرح انہیں دنوں میں آسمان بنائے اس پر مخلوق کے راستے، اس کی رہائش بے شمار نعمتیں رکھیں۔ یہ سب کچھ چھ دنوں میں مکمل کرلیا۔

وَ کَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ اس کا عرش پانی پر تھا۔ زمین و آسمان کے بننے سے پہلے سارا پانی تھا۔ اس پر اس کا عرش سلطنت تھا۔ اس کی حکومت جاری وساری تھی۔ قرآن حکیم آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے بتا چکا ہے۔ سائنس اب اس تحقیق پر پہنچی ہے کہ زمین سے پہلے سارا پانی تھا سائنس بیسویں صدی عیسوی میں آ کر یا آج کل آ کر اس بات پر پہنچی ہے کہ سارا پانی تھا۔ قرآن آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے فرمارہا ہے کہ اس کی سلطنت اس کا عرش اس کا تخت پانی پر تھا۔ پھر اس نے مخلوق بنائی۔ مخلوق کے لئے اس نے یہ زمین آسمان یہ ساری کائنات تخلیق کی بس مخلوق کے لئے؟ انسان کے لئے، جسے مکلف بنایا۔ یہ سارا نظام ایک انسان کے لئے بنایا خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرۃ:29)

فرمایا: روئے زمین پر جو کچھ ہے وہ تمہارے لئے ہے اور کتنی ایسی مخلوق جو ہمارے جانے بوجھے بغیر ہماری خدمت کررہی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا جب باجرے جوار وغیرہ کی فصلیں آتی ہیں تو چڑیوں کے ڈار وں کے ڈار آجاتے ہیں اور ہم کاشت کار لوگ پھر ان کو بھگانے کے لئے اور فصل بچانے کے لئے شور کرتے ہیں تو چین میں ایک دفعہ چین والوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ چڑیاں ختم کرنی چاہئیں۔ یہ فصلوں کا بہت نقصان کرتی ہیں۔ انہوں نے بڑے بڑے جال لگا کر پکڑیں اور بڑے طریقے کئے کہ وہ چڑیاں فصل نہ کھاسکیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چڑیاں نہیں تھیں۔ جو نقصان وہ کیڑے فصل کے تھے وہ اتنے ہوئے کہ چڑیوں سے زیادہ فصل برباد کردی۔ یعنی وہ غیر شعوری طور پر فصلوں سے کیڑے چن چن کر کھا جاتی تھیں تو زمیندار کی مدد کرتی تھیں تو جس سال چڑیوں نے نہیں کھائیں تو کیڑوں نے اتنا نقصان کیا جو کہ چڑیوں سے زیادہ ہوگیا۔ ہمارے بنگال وغیرہ میں دیکھیں آپ، تو بڑے بڑے سانپ کھیتوں میں پھر رہے ہوتے ہیں۔ اور زمیندار انہیں کچھ نہیں کہتے۔ دیکھ لیتے ہیں اس سے بچ کر نکل جاتے ہیں لیکن مارتے نہیں سانپ کو۔ کیوں نہیں مارتے؟ کہتے ہیں جی چوہا آجائے تو چوہا کھیت میں سوراخ کرتا ہے۔ پانی بہہ جاتا ہے چاولوں کی فصل سوکھ جاتی ہے تو یہاں جو سانپ پھرتے ہوتے ہیں چوہوں کو کھا جاتے ہیں۔ ہمارا نقصان ہونے سے بچالیتے ہیں۔ یعنی ایسا ترتیب دیا ہے اس نے نظام کو کہ ہمیں پتہ چلے یا نہ چلے بے شمار اس کی مخلوق ہماری خدمت کررہی ہوتی ہے ساری جتنی کائنات ہے سیارے ہیں، ستارے ہیں، سورج ہے، چاند ہے ان سب کی توجہات کا مرکز زمین ہے ان کے اثرات سے ان کی روشنی سے، کسی کی تمازت سے کسی کی دھوپ سے کہیں چیزیں پیدا ہورہی ہیں کہیں پھل بن رہے ہیں کہیں ان میں مٹھاس

پیدا ہو رہی ہے تو وہ سارے جن کی اس زمین پر آبادی ہے، اس کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ زمین کی ساری مخلوق ایک انسان کے استعمال میں ہے۔ اتنی کارگاہ حیات تمہارے لئے بنائی۔ تمہیں اس کا احساس ہی نہیں ہے کہ تم میرا شکر ادا کرو۔ فرمایا! میں نے یہ ساری تخلیق اس لئے کی لِیَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا تا کہ انسانو! تمہاری آزمائش ہو جائے کہ تم میں کون اچھے کام کرتا ہے۔ کون میری اور میرے انبیاءؑ کی اور میرے نبی ﷺ کی اطاعت کرتا ہے، کون میری کتاب کی پیروی کرتا ہے اور کون نافرمانی کرتا ہے۔ لیکن فرمایا! انسان کا مزاج عجیب ہے وَ لَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

جب آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ لوگو تمہیں موت کے بعد زندہ ہونا ہے۔ اگر ان نعمتوں کا شکر ادا کیا تو تمہیں مزید انعام ملے گا۔ اگر ناشکری کرتے رہے تو سزا پاؤ گے۔ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ تو جو لوگ کفر میں گرفتار ہیں وہ کہتے ہیں مرنے کے بعد زندہ ہونا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ یعنی صاف صاف کھلا کھلا جادو ہے فرمایا! یہ ایسے بے وقوف ہیں کہ ان میں اتنی تمیز بھی نہیں ہے کہ جو لوگ جادو کرتے ہیں یا جادوگر ہیں وہ دنیا کمانے کیلئے کرتے ہیں آخرت کے لئے نہیں کرتے۔ جادو ٹونا تو دنیا کمانے کے لئے ہوتا ہے اور یہاں بات ہو رہی ہے مرنے کے بعد کی زندگی پر۔ حیات بعد الموت پر تو جادوگروں کا ایمان ہی نہیں ہوتا۔ جادو کرنا تو بجائے خود کفر ہے۔ کافر کا تو آخرت پر ایمان ہی نہیں ہوتا وہ آخرت کے لئے کیوں کرے گا اور جادوگر تو اپنی بات منوانے کے لئے، اپنے کو بڑا منوانے کے لئے ساری محنت کرتا ہے اور آپ ﷺ ان سے حیات بعد الموت کی بات کرتے ہیں اور یہ ایسے جاہل ہیں کہ کہتے ہیں یہ جادو ہے، بھلا جادو کو حیات بعد الموت سے کیا تعلق۔ جادوگر کو اس سے کیا۔ وہ تو دنیا سمیٹنے کے لئے سارے حربے اختیار کرتا ہے۔ سارے مکر دنیا حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے۔ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ فرمایا! کافر ایسا جاہل ہے کہ دنیاوی زندگی میں اسے تھوڑی سی مہلت مل گئی۔ اللہ نے اپنے نبی مبعوث فرمائے، کتابیں بھیجیں۔ امام الانبیاء ﷺ مبعوث ہوئے۔ آخری کتاب قرآن کریم نازل ہوئی۔ دنیا اور آخرت کی کامیابی کا راستہ بتانے کے لئے نازل ہوئی۔ اور جب اللہ کے نبی ﷺ نے بتایا کہ اگر نافرمانی کرو گے تو عذاب بھگتو گے۔ تو دنیا میں اگر ان پر تکلیف نہیں آتی، اس میں عذاب سے محفوظ رہتے ہیں تو کہتے ہیں۔ بھئی! ہم تو اللہ کو بھی نہیں مان رہے، اللہ کے نبی ﷺ، اللہ کی کتاب کو بھی نہیں مان رہے۔ اطاعت نہیں کر رہے۔ جی چاہتا ہے عیش کرتے ہیں ہم پر تو عذاب نہیں آتا۔ پھر کس نے روک رکھا ہے آئے نا عذاب۔

ہر کام میں ترتیب ہے، ہر چیز کا ایک وقت ہے آپ ایک بیج بوتے ہیں تو وہ بھی فصل بننے اور پکنے تک کتنا عرصہ لے جاتا ہے۔ وہ اپنے وقت پر اپنی ترتیب سے پکتا ہے۔ خود کائنات کو اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں ایک ترتیب سے پیدا فرمایا۔ اگر تم گناہ کر رہے ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ فوراً آسمان ٹوٹ پڑے گا۔ تم بھی اپنا سفر کر رہے ہو ایک دن منزل پر پہنچ جاؤ گے۔ گھبراؤ نہیں عذاب تو آ چکا۔ خود غلطی کرنا ہی عذاب ہے۔ گناہ کرنا ہی عذاب ہے۔ یہ تھوڑا عذاب ہے کہ بندہ اللہ کی یاد سے غافل ہو جائے۔ یہ بھی بہت بڑا عذاب ہے اور جب اللہ کی یاد سے کوئی غافل ہوتا ہے تو اس کے دل میں اتنی پریشانیاں جمع ہوتی ہیں کہ وہ بجائے خود اس کے لئے ایک عذاب بن جاتی ہیں۔ جس دل میں اللہ کی یاد ہوتی ہے۔ اس میں پریشانیاں نہیں سکون ہوتا ہے۔ لیکن ایک وقت آئے گا جب یہ زندگی ختم ہوگی۔ جب تم موت سے، نزع کے وقت سے گزرو گے۔ جب موت کے دروازے سے گزرو گے تو نتائج سامنے آ جائیں

گے۔ فصل پک کر تیار ہو چکی ہوگی۔ فرمایا! کہ یہ ایسے جاہل ہیں کہ کچھ عرصے کے لئے یعنی دنیا کی حیات کے لئے اگر وہ عذاب اللہ نے ٹال دیئے ہیں تو کہتے ہیں لَیَقُوْلُنَّ مَا یَحْبِسُہٗ کس نے عذاب کو روک رکھا ہے۔ نہ اللہ کو مانتے ہیں نہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں نہ کتاب کو مانتے ہیں جو جی چاہتا ہے کرتے ہیں برائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں عذاب کہاں ہے؟ ہم پر تو نہیں آتا اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْہِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْہُمْ وَ حَاقَ بِہِمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ فرمایا! اچھی طرح سن لو جس دن وہ عذاب آئے گا کسی طریقے سے وہ تم سے ٹل نہیں سکے گا۔ عذاب سے بچنے کا تو ایک ہی طریقہ تھا کہ اللہ پر ایمان لاتے، اس کی عظمت کا اقرار کرتے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑتے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حق ادا کرتے۔ ایک ہی تو طریقہ تھا، عذاب سے بچنے کا، وہ تم نے نہیں لیا۔ اب جب موت آئے گی عذاب آئے گا تو اللہ کی گرفت آئے گی تو تمہارے پاس اسے ٹالنے یا اس سے بچنے کے لئے تمہارے پاس ایسی کوئی شے نہیں ہوگی جو اسے ٹال سکے۔ اور جن چیزوں کا تم مذاق اڑاتے ہو وہ تمہارے گلے پڑ جائیں گی اور جن باتوں کا تم مذاق اڑاتے ہو وہ مصیبتیں تو تمہارے گلے پڑ جائیں گی۔ فرمایا! انسانی مزاج ایسا ہے انسان کی دو حالتیں ہیں۔ اللہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وابستہ رہے، اللہ پر ایمان ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہو تو اس کی صورتحال اور ہوتی ہے۔ تکلیف آئے تو بھی صبر کرتا ہے۔ آسانی آئے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ اکڑتا نہیں ہے۔ اللہ کی نعمتوں کا احساس کرتا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ مزید اطاعت کرتا ہے۔ لیکن اگر اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ایمان سے دور ہو وَ لَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَۃً ثُمَّ نَزَعْنٰھَا مِنْہُ اِنَّہٗ لَیَئُوْسٌ کَفُوْرٌ اگر ہم کسی انسان پر اپنی رحمت کریں اسے نعمتیں دیں۔ اسے آسودہ حال کریں۔ خوش حال بنا دیں۔ صحت مند بنا دیں پھر کبھی ان میں سے کوئی چیز ان سے چلی جائے۔ صحت چلی جائے۔ دولت چلی جائے یا عہدہ چلا جائے۔ لَیَئُوْسٌ کَفُوْرٌ تو پھر وہ ناامید ہو کر اللہ کی ناشکری کرنے لگ جاتا ہے۔ پھر کہتا ہے ہمیں تو اللہ نے بھی کچھ نہیں دیا ہمیں تو اللہ نے سوائے بیماری کے کچھ نہیں دیا۔ ہم سے تو اللہ نے عہدہ بھی چھین لیا۔ ہمیں تو اللہ نے رسوا کیا۔ ہمارا اللہ نے کیا کیا۔ بڑے بڑے عہدے داروں اور بڑے بڑے امیروں کو چھوڑ وان کا نقصان ہو جائے تو یہی کہتے ہیں لیکن یہ عام آدمی ہے جو بالکل ہماری سطح پر ہیں۔ کاشت کار، مزدوران سے بھی کئی دفعہ سننے میں آتا ہے ہمیں اللہ نے کیا دیا ہے۔ ہمارا اللہ نے کیا کیا ہے؟

ایسا کیوں کرتے ہیں۔ ایسا کیوں کہتے ہیں؟ فرمایا! اللہ پر ایمان نہیں ہے۔ آخرت پر یقین نہیں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق نہیں ہے ظاہری دنیا پر ہی نظر ہے۔ جب ساری دنیا جاتی نظر آتی ہے۔ تو بس ناشکری کرنے لگ جاتے ہیں اور انہیں لوگوں کا دوسرا حال یہ ہے

وَ لَئِنْ اَذَقْنٰہُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْہُ لَیَقُوْلَنَّ ذَھَبَ السَّیِّاٰتُ عَنِّیْ اِنَّہٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ کَبِیْرٌ ○

اور پھر اگر اللہ انہیں نعمتیں دے دے، صحت دے دے، عہدہ دے دے، مال و دولت دے دے تو الٹا اکڑ جاتے ہیں شکر پھر بھی نہیں کرتے پھر خود خدا بننے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں جی وہ دن گئے اب ادبار کے دن گئے۔ مشکلات گئیں۔ اب میں وزیر اعظم ہوں، اب میں گورنر ہوں، اب میں وزیر اعلیٰ ہوں، اب میں فلاں ہوں اب میں سیٹھ ہوں، میں دولت مند ہوں۔ اب وہ دن گئے جی وہ مفلسی کے۔ وہ بھول جاتے ہیں۔ وہ سب کچھ گیا اِنَّہٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ خوشیاں مناتے ہیں اور فخر کرتے ہیں۔ اکڑ جاتے

ہیں یعنی اللہ پر نہ راضی تھے مشکلات میں یا افلاس میں اور نہ اللہ پر راضی ہیں دولت مند ہو کر۔ پھر وہ کہتے ہیں یہ ہمارا اپنا کمال ہے۔ نہ تب اطاعت نصیب تھی نہ اب اطاعت نصیب ہے۔ دونوں حالتوں میں ناشکری کرتے ہیں۔ سوائے ان لوگوں کے اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا جو صبر کرتے ہیں حقیقت صبر ہے گناہ سے بچنا اور اللہ کی اطاعت پہ کاربند رہنا۔ فرمایا! وہ لوگ جو مشکل ہو یا آسانی ہو، بیماری آجائے یا اللہ صحت دے دے، دولت مند ہوں یا غریب ہوں، حکومت میں ہوں یا رعیت میں ہوں۔ ہر حال میں اللہ کی اطاعت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ وہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور نیک اعمال کرتے ہیں۔

یوں تو دنیا میں جو عمل بھی کوئی کرتا ہے وہ کہتا ہے میں نے اچھا عمل کیا ہے۔ لیکن عمل اچھا ہونے کی دلیل کیا ہے؟ ایک ہی دلیل ہے جو عمل حضور ﷺ کے حکم کے یا آپ ﷺ کی سنت کے مطابق ہے وہ اچھا عمل ہے جو آپ ﷺ کی سنت کے خلاف ہے۔ وہ عمل خراب ہے۔ سادہ سا ایک ہی معیار ہے وہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات جو آپ ﷺ کرنے کا کہیں، جس طریقے سے کرنے کا فرمائیں وہ اچھا ہے۔ جو اس کے خلاف ہے وہ برا ہے خواہ وہ بظاہر کتنا ہی خوش نما ہو۔ تو فرمایا! وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں۔ انہی لوگوں کے لئے میری بخشش ہے۔ انسان نیکیاں کر کے بھی غلطیاں کرتا ہے۔ سجدہ کر کے بھی۔ سجدہ بھی بعض اوقات گستاخی بن جاتا ہے کہ وہ حق ادا نہیں ہوتا جو ہونا چاہئے۔ وہ خلوص نہیں ہوتا جو ہونا چاہئے۔ وہ توجہ نہیں ہوتی جو ہونا چاہئے۔ بظاہر ہم سجدہ کر رہے ہوتے ہیں اس میں بھی ہم پتہ نہیں کیا کچھ سوچ رہے ہوتے ہیں۔ خشوع و خضوع نہیں ہوتا تو نیکیاں کرتے ہوئے بھی کمیاں رہ جاتی ہیں۔ نیکی میں کمی رہ جاتی ہے۔ پھر انبیاءؑ کے علاوہ کوئی معصوم نہیں۔ ہر بندے سے گناہ ہو سکتا ہے۔ خطا ہو سکتی ہے۔ لیکن فرمایا! جو لوگ دامن رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وابستہ ہوتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کی بارگاہ میں صبر اور شکر سے رہتے ہیں۔ میری مغفرت انہی کے لئے تو ہے۔ انہیں کی غلطیاں معاف کرتا ہوں۔ انہی کی کوتاہیاں، کمیاں پوری کرتا ہوں اُولٰٓئِکَ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ کَبِیْرٌ ان کے لئے اللہ کی بخشش ہے۔ بہت ہی بڑا اجر ہے جتنا وہ سوچ بھی نہیں سکتے فرمایا! اتنی نعمتیں عطا کروں گا۔ اتنا بدلہ دوں گا۔ اتنا اجر دوں گا کہ جتنا انسانی علم اور انسانی سوچ میں نہیں آسکتا۔ اَجْرٌ کَبِیْرٌ۔ بہت بڑا اجر۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

شریعت

شریعت نام ہے کل اور مجموعہ احکام کا۔ سارے کے سارے احکام (مجموعہ احکام) جو ہیں ان سب کو شریعت کہا جاتا ہے، خواہ ان احکام کا تعلق امور باطنہ سے ہو یا امور ظاہرہ کے ساتھ۔

علماء متقدمین اور تمام صوفیاء اس بات پر متفق ہیں کہ "شریعت" لفظ فقہ کے مترادف ہے چونکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی تعریف ہی یہ کی ہے: معرفۃ النفس ما لھا وما علیھا (نفس کی پہچان! جو اس کے نفع کی چیز ہے یا نقصان کی چیز ہے) اس لئے مجموعہ احکام ظاہری اور باطنیہ اعمال بھی سارے کے سارے اس میں آگئے۔ متاخرین علماء نے اس کی تقسیم یوں کی ہے ان پر تصوف کا اطلاق کر دیا۔ اسلام سے باہر تو کوئی چیز نہیں، یہی شریعت ہے یہی حقیقت ہے، یہی سب کچھ ہے اسی کو شریعت کہتے ہیں۔

(مجدد طریقت، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ، حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خطبہ جمعہ سے اقتباس)

شوال اور عید الفطر کے فضائل و احکام

مرتب: مولانا طارق محمود، ادارہ غفران راولپنڈی

شوال کا مہینہ:۔ اسلامی سال کے لحاظ سے ترتیب میں دسواں مہینہ ہے، جو رمضان المبارک کا مہینہ ختم ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔

شوال کی لفظی و معنوی تحقیق

شوال (shawwal) عربی کا لفظ ہے، اس میں ''ش'' پر زبر اور ''و'' پر تشدید اور زبر ہے، یہ مذکر ہے اور بول چال میں اس کو عید کا مہینہ بھی کہتے ہیں۔

اس کے عربی لغت (Dictionary) میں کئی معنیٰ ہیں، جن میں سے زیادہ مشہور معنیٰ بلند کرنے اور اوپر اٹھانے کے ہیں۔

اور کیونکہ شوال کے مہینہ خصوصا اس مہینہ کی ابتدائی رات اور ابتدائی دن یعنی عید کے روز بے شمار لوگوں کے گناہ ان کے نامۂ اعمال سے اللہ تعالیٰ اٹھا دیتے ہیں، اس لئے بقول بعض اس مہینہ کا نام شوال تجویز کیا گیا۔ (وین بعضھم بتوجیہ آخر)

شوال کو ''مکرم'' بھی کہا جاتا ہے یعنی ''شوال المکرم'' مکرم کے معنیٰ ہیں، اکرام والی چیز، یہ مہینہ کیونکہ شریعت کی نظر میں اکرام والا مہینہ ہے، اس لئے اس مہینہ کو شوال المکرم کہا جاتا ہے۔

ماہ شوال کے فضائل

ماہ شوال کو کئی طرح سے فضیلت حاصل ہے۔ ایک تو یہ مہینہ رمضان کا پڑوسی ہے اور رمضان کے روزوں کے ساتھ اس مہینہ میں چھ روزے رکھنے کی بڑی فضیلت ہے، اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں عظیم اسلامی تہوار ''عید الفطر'' ادا کیا جاتا ہے اور کیونکہ اس مہینے کے شروع ہوتے ہی روزے کی فرضیت کا زمانہ مکمل ہو جاتا ہے اور کھانا پینا حلال ہو جاتا ہے اس لئے اس تہوار کا نام عید الفطر (افطار کی خوشی) تجویز کیا گیا ہے اور اس دن کی بدولت صدقۂ فطر کو لازم کیا گیا اور اس کے عظیم فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ شوال کے مہینے کو یہ شرف اور اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس مہینے سے اسلام کی اہم عبادت اور فریضے ''حج'' کا زمانہ شروع ہوتا ہے اس لئے اس مہینے کو حج کے مہینوں میں شمار کیا جاتا ہے، اس طرح اس مہینے کو حج کے ساتھ بھی ایک نسبت قائم ہے جو اس کی فضیلت کیلئے کچھ کم نہیں۔ علاوہ ازیں اس مہینہ کی ابتدائی رات بھی فضیلت کی حامل ہے اور عید الفطر کے دن کا بابرکت ہونا تو بالکل واضح ہے، اور شوال کے مہینہ میں چھ نفلی روزے رکھنے کی بھی عظیم فضیلت ہے۔ بہر حال شوال کو کئی عظیم الشان نسبتیں اور فضیلتیں حاصل ہیں، مثلاً

(۱)......رمضان المبارک کے بابرکت مہینے کے اختتام سے اس کا آغاز ہونا اور رمضان کے بابرکت مہینے کے ساتھ ملا ہوا ہونا۔

(۲)......اس مہینہ کا حج کے مہینوں میں سے ہونا بلکہ اس مہینے سے حج کے زمانہ کا آغاز ہونا۔

(۳)......رمضان کے بخیر و عافیت گزرنے کے بعد اس مہینہ کے

ابتدائی دن کے سبب صدقۂ فطر کا واجب ہونا اور اس کے عظیم فضائل کا ہونا۔

(۴)......اس مہینہ کی ابتدائی رات کا بابرکت ہونا۔

(۵)......اس کے ابتدائی دن میں اسلام کا عظیم تہوار ''عید الفطر'' کا اسلامی شان وشوکت کے ساتھ انجام دیا جانا اور اللہ کے حضور شکرانے کے طور پر دوگانہ نماز کا واجب ہونا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر بخشش اور مغفرتوں کا اعلان ہونا۔

(۶)......اس مہینہ میں چھ روزوں کے عظیم الشان فضائل کا ہونا۔

آگے انشاء اللہ تعالیٰ مذکورہ چیزوں کے فضائل واحکام اور منکرات واصلاحات اور قابل توجہ امور پر بقدر ضرورت روشنی ڈالی جائے گی۔

ماہ شوال رمضان کا پڑوسی

رمضان المبارک کی فضیلتوں اور برکتوں اور اس کے مقدس ومحترم ہونے کو تو سب مسلمان جانتے ہی ہیں، اور ہم نے بھی اپنے رسالے ''رمضان المبارک کے فضائل واحکام'' میں اس مہینہ کے فضائل وبرکات کو تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیا ہے اور شوال کے مہینہ کو اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے مقدس مہینہ کے ختم ہونے پر مقرر فرمایا ہے۔ رمضان المبارک کی برکات پورے سال انسان کو حاصل رہتی ہیں بشرطیکہ رمضان کا صحیح احترام اور اس کا حق ادا کرے، کیونکہ رمضان کا مہینہ دراصل پورے سال کا اصلاحی کورس ہے، اور شوال کا مہینہ شروع ہوتے ہی یہ سالانہ کورس مکمل ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے رمضان المبارک کے اثرات شوال کے مہینہ میں زیادہ اور تروتازہ انداز میں محسوس کئے جاتے ہیں، اور ہر چیز کی صحبت کا اثر اس کے پڑوسی کو حاصل ہوتا ہے، اور شوال کا مہینہ رمضان کا پڑوسی ہے۔لہٰذا اس مہینہ پر رمضان کی صحبت کا اثر ایک لازمی چیز ہے، اور اسی لئے اس مہینہ میں چھ روزے رکھنے کے بڑے بڑے فضائل آئے ہیں، یہاں تک کہ رمضان کے مہینہ اور شوال کے چھ روزوں کو ملا کر پورے سال کے روزوں کا ثواب مرحمت فرمایا جاتا ہے سال بھر کے روزوں کا ثواب خاص رمضان اور شوال کے روزوں کے ساتھ حاصل ہونا ان دونوں مہینوں کے ساتھ قریبی تعلق اور شوال کے مہینہ میں رمضان کے انوار وبرکات کو ظاہر کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ محققین علماء نے شوال کے مہینہ کے چھ روزوں کی رمضان کے روزوں کے ساتھ وہی حیثیت بیان فرمائی ہے جو سنت نماز کو فرضوں کے ساتھ ہوتی ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ سنتوں کا اپنے فرضوں سے بہت قوی اور قریبی تعلق ہوتا ہے۔صدقہ فطر جو عید کے دن کے سبب لازم ہوتا ہے اس کا ایک فائدہ بھی رمضان کے روزوں کو پاک وصاف کرنا ہے، اس سے بھی شوال کے مہینہ کا رمضان سے تعلق ظاہر ہوتا ہے اور بعض احادیث سے حضور ﷺ کے رمضان میں عذر کے باعث اعتکاف چھوٹ جانے پر اس کو شوال کے مہینہ میں ادا کرنے کا ذکر ملتا ہے۔(بخاری)

اور اسی وجہ سے بعض علماء نے رمضان کے بعد شوال کے مہینہ میں نفلی اعتکاف کو سب سے بہتر قرار دیا ہے بہر حال شوال کا مہینہ رمضان کے ساتھ خاص تعلق اور مناسبت کا حامل ہے۔

عید الفطر کے فضائل واحکام

شوال کے مہینہ کے پہلے دن کا آغاز ''عید الفطر'' کے ساتھ ہوتا ہے، اور ''عید الفطر'' دو لفظوں کا مجموعہ ہے (۱) عید (۲) الفطر

اور عید الفطر کے جملہ میں عید کی نسبت فطر کی طرف ہو رہی ہے فطر کے معنیٰ ''افطار کرنے'' کے ہیں جس سے یہاں مراد روزوں کی فرضیت کے بعد افطار یعنی روزے نہ رکھنے کی اجازت مل جانا ہے کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں جو روزے

رکھنے کی پابندی تھی وہ شوال کے آغاز پر ختم ہو جاتی ہے۔

''عید'' عربی کا لفظ ہے، جس کے عربی میں کئی معنیٰ آتے ہیں۔ ایک معنیٰ خوشی کے ہیں اور کیونکہ عیدین پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشی کا موقع ہوتا ہے اس لئے اس کو عید کہا جاتا ہے۔ اور ایک معنیٰ لوٹ کر آنے والی چیز کے ہیں، اور کیونکہ عیدین کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر سال بندوں پر مختلف قسم کے احسانات لوٹ کر آتے ہیں مثلاً روزے میں کھانے پینے کی ممانعت کے بعد افطار کی اجازت، صدقۂ فطر، بڑی عید پر حج کی عبادت اور قربانی کا گوشت وغیرہ اس لئے ان تہواروں کا نام عید رکھا گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

ہر قوم اور ملت میں سال کے کچھ دن خوشی کا جشن منانے کیلئے مقرر ہوتے ہیں۔ جنہیں عام بول چال میں تہوار کہا جاتا ہے، تہوار منانے کیلئے ہر قوم کا مزاج و مذاق، انداز اور طور طریقے مختلف ہو سکتے ہیں، لیکن ان سب میں ایک بات مشترک طور پر پائی جاتی ہے اور وہ ''خوشی منانا'' ہے۔ اسلام میں بھی سال میں دو دن اس غرض کیلئے دوسری قوموں سے علیحدہ عبادت کے طور پر مقرر کئے گئے ہیں۔ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اس وقت شروع ہوتی ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ آئے، عید الفطر اور عید الاضحیٰ ان دونوں تہواروں کا سلسلہ بھی اسی وقت سے شروع ہوا ہے۔ چنانچہ اسلام نے پورے سال میں امت مسلمہ کیلئے عید کے یہ دو دن مقرر کئے ہیں، ایک بڑی عید یعنی عید الاضحیٰ کا دن اور دوسرے عید الفطر کا۔

ایک روایت میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ اَبْدَلَکُمْ بِیَوْمَیْنِ ھٰذَیْنِ خَیْرًا مِنْھُمَا الْفِطْرَ وَالنَّحْرَ اَمَّا یَوْمُ الْفِطْرِ فَصَلَاۃٌ وَصَدَقَۃٌ وَ اَمَّا یَوْمُ الْاَضْحٰی فَصَلَاۃٌ وَنُسُکٌ (کنز العمال ج ۸)

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کافروں کے ان دو دنوں کے بدلہ میں ان سے بہتر دو دن عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے عطا فرما دیئے ہیں، عید الفطر میں تو نماز عید اور صدقۂ فطر ادا ہوتا ہے اور عید الاضحیٰ کے دن نماز عید اور قربانی (ترجمہ ختم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

یَوْمُ الْفِطْرِ یَوْمُ الْجَوَائِزِ (کنز العمال)

ترجمہ: عید کا دن انعامات حاصل کرنے کا دن ہے (ترجمہ ختم)

فائدہ: یہ انعامات ہر اس مرد و عورت کو دیے جاتے ہیں، جس نے رمضان کا حق ادا کیا۔ ایک روایت میں عید کے دن نماز کی فضیلت اس طرح بیان کی گئی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَطَّلِعُ فِی الْعِیْدَیْنِ اِلَی الْاَرْضِ فَابْرُزُوْا مِنَ الْمَنَازِلِ تَلْحَقُکُمُ الرَّحْمَۃُ (کنز العمال)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ عیدین کے دنوں میں زمین والوں کی طرف خصوصی رحمت کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں پس تم (عید کی نماز کیلئے) اپنے گھروں سے نکلو، تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سایہ فگن ہو جائے گی (ترجمہ ختم)

عیدین کے دن اور عید کی نماز کے کتنے عظیم الشان فضائل ہیں، یہ فضائل اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جبکہ عید کے دن اور عید کی نماز کو شریعت کے مطابق گناہوں سے بچ کر بجا لایا جائے۔

عید کے دن مسنون و مستحب اعمال

عید کا دن چونکہ عبادت اور خوشی کے مجموعے کا دن ہے، اس لیے شریعت کی طرف سے اس دن ایسے کام عبادت قرار دیے گئے ہیں جو ان دونوں عناصر کو شامل ہوں؛ یعنی ان میں عبادت کا پہلو بھی ہو، اور خوشی و مسرت کا پہلو بھی ہو، چنانچہ علمائے کرام نے احادیث و روایات میں غور کر کے مندرجہ ذیل کاموں

کو عید الفطر کے دن سنت اور مستحب قرار دیا ہے۔

(۱)......صبح کو بہت سویرے اٹھنا۔

(۲)...... مرد حضرات کو فجر کی نماز محلہ کی مسجد میں با جماعت پڑھنا۔

(۳)......شریعت کے موافق آرائش اور زیب و زینت کرنا۔

(۴)...... فاضل (یعنی زیر ناف وبغلوں کے) بال اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے ناخن وغیرہ کاٹنا۔

(۵)......خوب اہتمام کے ساتھ غسل کرنا۔

(۶)......مسواک کرنا (مسواک خواتین کے لیے بھی سنت ہے)

(۷)...... پاک وصاف عمدہ کپڑے جو میسر ہوں پہننا (مگر تکبر اور فخر کی نیت نہ ہو اور حد سے نہ بڑھا جائے نہ ہی اس کے لئے قرض وغیرہ لیا جائے بلکہ میانہ روی ہو)

(۸)......خوشبو لگانا (مگر خواتین تیز خوشبو نہ لگائیں)

(۹)......اگر صدقہ فطر ادا نہ کیا ہو تو عید کی نماز سے پہلے پہلے ادا کر دینا۔

(۱۰)......مرد حضرات کو عید کی نماز کے لئے جلدی پہنچنا۔

(۱۱)......کوئی عذر نہ ہو تو عید کی نماز ادا کرنے کے لئے پیدل جانا۔

(۱۲)......کوئی عذر نہ ہو تو عید گاہ میں نماز ادا کرنا۔

(۱۳)......عید الفطر کی نماز کے لیے جاتے ہوئے راستے میں تکبیر تشریق آہستہ آواز سے کہنا (ہندیہ، بحر، امداد الاحکام جلدا صفحہ ۷۴۶)

تکبیر تشریق یہ ہے:

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد

(۱۴)......عید الفطر کی نماز سے پہلے کچھ کھا لینا (کذا فی الترمذی ج ۱ ص ۷۱)

(۱۵)......جس راستہ سے عید کی نماز کے لئے جائیں اس کے علاوہ سے واپس آنا (کذا فی البخاری ج ۱ ص ۱۳۴)

(۱۶)......اپنے گھر والوں اور عزیزوں اور دوستوں کے سامنے خوش اخلاقی سے پیش آنا اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے اور منکرات سے بچتے ہوئے بشاشت کا اظہار کرنا اور غیض وغضب سے پرہیز کرنا۔

(۱۷)......اپنی وسعت وحیثیت کے مطابق صحیح مستحقین ومساکین کی (نہ کہ پیشہ ور بھکاریوں کی) صدقہ سے کثرت کے ساتھ مدد کرنا۔

(۱۸)......اپنی حیثیت کے مطابق اہل وعیال کے لیے گھر میں عید کے دن کسی بھی قسم کے اچھے کھانے کا انتظام کر لینا بھی بعض اہل علم حضرات کی تحقیق کے مطابق سنت ومستحب ہے۔

(۱۹)...... انگوٹھی پہننا (لیکن مرد کے لیے زیادہ سے زیادہ ساڑھے چار ماشہ چاندی کے علاوہ کسی اور چیز کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں)

دعائے مغفرت

1۔کوئٹہ سے سلسلہ عالیہ کی ساتھی سلمٰی ریاض کے خاوند

2۔شورکوٹ سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی ماسٹر ظہور حسین کی والدہ محترمہ

3۔شورکوٹ سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی فقیر محمد

4۔سمبڑیال سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی غلام عباس کی اہلیہ

5۔باغ آزاد کشمیر سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی مولانا یاسر اقبال کی والدہ محترمہ

6۔منڈی بہاؤالدین سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی حاجی غلام رسول کی والدہ محترمہ

7۔لاہور سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی چودھری محمد اسلم کے والد محترم

8۔لاہور سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی رانا محمد اسلم شاہد کی والدہ محترمہ

9۔چوک اعظم لیہ سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی صوبیدار محمد نواز کا بیٹا

10۔جڑانوالہ سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی سید محمد الیاس شاہ کے والد محترم

وفات پا گئے ہیں۔ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست کی جاتی ہے۔

غزوۂ بدر

ماخوذ: سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

از مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ٥(آل عمران:123)

(یقیناً خدا نے تمہاری بدر میں مدد کی جب تم کمزور تھے۔ تو خدا سے ڈرو تاکہ تم شکر گذار بن جاؤ) رمضان ۲ھ

بدر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں سال کے سال میلہ لگتا ہے یہ مقام اس نقطہ کے قریب ہے جہاں شام سے مدینہ جانے کا راستہ دشوار گزار گھاٹیوں میں سے ہو کر گزرتا ہے۔ مدینہ منورہ سے قریباً اسی میل کے فاصلہ پر ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، قریش نے ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ عبداللہ بن ابی کو انہوں نے خط لکھ بھیجا کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دو یا ہم آ کر ان کے ساتھ تمہارا بھی فیصلہ کر دیتے ہیں۔ قریش کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں مدینہ کی طرف گشت لگاتی رہتی تھیں۔ کرز فہری مدینہ کی چراگاہوں تک آ کر غارت گری کر گیا تھا۔

حملہ کیلئے سب سے بڑی ضروری چیز مصارفِ جنگ کا بندوبست تھا۔ اس لئے اب کے موسم میں قریش کا جو کاروانِ تجارت شام کو روانہ ہوا۔ اس سروسامان سے روانہ ہوا کہ مکہ مکرمہ کی تمام آبادی نے جس کے پاس جو رقم تھی کل کی کل دے دی۔ نہ صرف مرد بلکہ عورتیں جو کاروبارِ تجارت میں بہت کم حصہ لیتی ہیں۔ ان کا بھی ایک ایک فرد اس میں شریک تھا۔ قافلہ ابھی شام سے روانہ نہیں ہوا تھا کہ حضرمی کے قتل کا اتفاقیہ واقعہ پیش آ گیا جس نے قریش کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا۔ اسی اثنا میں یہ غلط خبر مکہ معظمہ میں پھیل گئی کہ مسلمان قافلہ کو لوٹنے کو آ رہے ہیں۔ قریش کے غیظ و غضب کا بادل بڑے زور شور سے اٹھا اور تمام عرب پر چھا گیا۔

آنحضرت کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کو جمع کیا اور واقعہ کا اظہار فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ وغیرہ نے جان نثارانہ تقریریں کیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کی طرف دیکھتے تھے۔ کیونکہ انصار نے بیعت کے وقت صرف یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اس وقت تلوار اٹھائیں گے جب دشمن مدینہ پر چڑھ آئیں۔ حضرت سعد بن عبادہؓ سردار خزرج نے اٹھ کر کہا: "کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ خدا کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں"۔ یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ بخاری میں ہے کہ حضرت مقدادؓ نے کہا کہ "ہم موسیٰ کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خدا جا کر لڑیں ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داہنے سے، بائیں سے، سامنے سے، پیچھے سے لڑیں گے۔ ان کی اس تقریر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ چمک اٹھا۔ غرض ۱۲ رمضان ۲ھ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقریباً تین سو جان نثاروں کے ساتھ شہر سے نکلے۔ ایک میل چل کر فوج کا جائزہ لیا جو کم عمر تھے واپس کر دیئے گئے کہ ایسے پر خطر موقع پر بچوں کا کام نہیں۔ عمیر بن ابی وقاصؓ ایک کمسن بچہ تھے جب ان سے واپسی کو کہا گیا تو رو پڑے۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی۔ عمیرؓ کے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کمسن

سپاہی کے گلے میں تلوار حمائل کی۔ اب فوج کی کل تعداد تین سو تیرہ تھی، جس میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ چونکہ غیبت کی حالت میں منافقین اور یہود کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ اس لئے ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ کو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا اور حکم دیا کہ مدینہ کو واپس جائیں۔ عالیہ (مدینہ کی بالائی آبادی) پر عاصم بن عدیؓ کو مقرر فرمایا۔ ان انتظامات کے بعد آپ ﷺ بدر کی طرف بڑھے جدھر سے اہل مکہ کی آمد کی خبر تھی۔ دو خبر رساں بسبسہ اور عدی آگے روانہ کر دیئے گئے تھے کہ قریب کی نقل و حرکت کی خبر لائیں۔ روحا، منصرف، ذات اجذال، معلاۃ، اثیل سے گزرتے ہوئے، ۱۷ رمضان کو بدر کے قریب پہنچے۔ خبر رسانوں نے خبر دی کہ قریب وادی کے دوسرے سرے تک آگئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ یہیں رک گئے اور فوجیں اتر پڑیں۔

مکہ معظمہ سے قریش بڑے سروسامان سے نکلے تھے۔ ہزار آدمی کی جمعیت تھی۔ سواروں کا رسالہ تھا۔ روسائے قریش سب شریک تھے۔ ابولہب مجبوری کی وجہ سے نہ آسکا تھا۔ اس لئے اپنی طرف سے اس نے قائم مقام بھیج دیا تھا۔ رسد کا یہ انتظام تھا کہ امرائے قریش یعنی عباس (بن مطلب) عتبہ بن ربیعہ، حارث بن عامر، نضر بن الحارث، ابوجہل، امیہ وغیرہ وغیرہ باری باری ہر روز دس دس اونٹ ذبح کرتے اور لوگوں کو کھلاتے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا، فوج کا سپہ سالار تھا۔

قریش کو بدر کے قریب پہنچ کر جب معلوم ہوا کہ ابوسفیان کا قافلہ خطرہ کی زد سے نکل گیا ہے تو قبیلہ زہرہ اور عدی کے سرداروں نے کہا "اب لڑنا ضروری نہیں" لیکن ابوجہل نہ مانا، زہرہ اور عدی کے لوگ واپس چلے گئے، باقی فوج آگے بڑھی۔

قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے انہوں نے مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ بخلاف اس کے مسلمانوں کی طرف چشمہ یا کنواں تک نہ تھا۔ زمین ایسی ریتلی تھی کہ اونٹوں کے پاؤں ریت میں دھنس دھنس جاتے تھے۔ حضرت حباب بن منذرؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ جو مقام انتخاب کیا گیا ہے وحی کی رو سے ہے یا فوجی تدبیر ہے؟ ارشاد ہوا کہ "وحی نہیں ہے"۔ حضرت حبابؓ نے کہا "تو بہتر ہوگا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے اور آس پاس کے کنویں بیکار کر دیئے جائیں"۔ آپ ﷺ نے یہ رائے پسند فرمائی اور اسی پر عمل کیا گیا۔ تائید ایزدی اور حسن اتفاق سے مینہ برس گیا جس سے گرد جم گئی اور جابجا پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنا لئے گئے کہ وضو اور غسل کے کام آئیں۔ اس قدرتی احسان کا خدا نے قرآن مجید میں بھی ذکر کیا ہے۔ وَ یُنَزِّلُ عَلَیۡکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً اور جب کہ خدا نے آسمان سے پانی برسایا لِّیُطَهِّرَکُمۡ بِهٖ (الانفال:۱۱) کہ تم کو پاک کرے۔ پانی پر اگرچہ قبضہ کر لیا گیا لیکن ساقی کوثر کا فیض عام تھا اس لئے دشمنوں کو بھی پانی لینے کی عام اجازت تھی۔ یہ رات کا وقت تھا۔ تمام صحابہؓ نے کمر کھول کر رات بھر آرام کیا۔ لیکن صرف ایک ذات تھی (ذات نبویؐ) جو صبح تک بیدار اور مصروف دعا رہی۔ صبح ہوئی تو لوگوں کو نماز کیلئے آواز دی۔ بعد نماز جہاد پر وعظ فرمایا۔

قریش جنگ کیلئے بے تاب تھے۔ تاہم کچھ نیک دل بھی تھے جن کے دل خونریزی سے لرزتے تھے۔ ان میں حکیم بن حزام (جو آگے چل کر اسلام لائے) نے سردار فوج عتبہ سے جا کر کہا "آپ چاہیں تو آج کا دن آپ کی نیک نامی کی ابدی یادگار رہ جائے"۔ عتبہ نے کہا کیونکر؟ حکیم نے کہا "قریش کا جو کچھ مطالبہ ہے وہ صرف حضرمی کا خون ہے۔ وہ آپ کا حلیف تھا۔ آپ اس کا خون بہا ادا کر دیجئے"۔ عتبہ نیک نفس آدمی تھا۔ اس نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔ لیکن چونکہ ابوجہل کا اتفاق رائے ضروری تھا حکیم عتبہ کا پیغام لے کر گئے۔ ابوجہل ترکش سے تیر نکال کر پھیلا رہا تھا۔ عتبہ کا پیغام سن کر بولا "ہاں عتبہ کی ہمت نے جواب دے دیا"۔ عتبہ کے فرزند ابوحذیفہؓ اسلام لا چکے تھے اور اس معرکہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ آئے تھے۔ اس بنا

پر ابوجہل نے یہ بدگمانی کی کہ عتبہ اس لئے لڑائی سے جی چراتا ہے کہ اس کے بیٹے پر آنچ نہ آئے۔ ابوجہل نے حضرمی کے بھائی عامر کو بلا کر کہا "دیکھتے ہو! تمہارا خوں بہا تمہاری آنکھ کے سامنے آکر نکلا جاتا ہے"۔ عامر نے عرب کے دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ ڈالے اور گرد اڑا کر "واعمراہ واعمراہ" کا نعرہ مارنا شروع کر دیا۔ اس واقعہ نے تمام فوج میں آگ لگا دی۔ عتبہ نے ابوجہل کا طعنہ سنا تو غیرت سے سخت برہم ہوا اور کہا "میدان جنگ بتا دے گا کہ نامردی کا داغ کون اٹھاتا ہے"۔ یہ کہہ کر مغفر مانگا۔ لیکن اس کا سر اس قدر بڑا تھا کہ کوئی مغفر اس کے سر پر ٹھیک نہ اترا مجبوراً سر سے کپڑا لپیٹا اور لڑائی کے ہتھیار سجائے۔

چونکہ آنحضرت ﷺ اپنے ہاتھ کو خون سے آلودہ کرنا پسند نہیں فرماتے تھے، صحابہؓ نے میدان کے کنارے ایک چھپر کا سائبان تیار کیا کہ آپ ﷺ اس میں تشریف رکھیں، حضرت سعد بن معاذؓ دروازہ پر تیغ بکف کھڑے ہوئے کہ کوئی ادھر نہ بڑھنے پائے۔

اگر چہ بارگاہ الٰہی سے فتح ونصرت کا وعدہ ہو چکا تھا، عناصر عالم آمادۂ مدد تھے، ملائکہ کی فوجیں ہمرکاب تھیں تاہم عالم اسباب کے لحاظ سے آپ ﷺ نے اصول جنگ کے مطابق فوجیں مرتب کیں۔ مہاجرین کا علم حضرت مصعب بن عمیرؓ کو عنایت فرمایا۔ خزرج کے علمبردار حضرت حباب بن منذرؓ اور اوس کے حضرت سعد بن معاذ مقرر ہوئے۔

صبح ہوتے ہوتے آپؐ نے صف آرائی شروع کی۔ دست مبارک میں ایک تیر تھا اس کے اشارہ سے صفیں قائم کرتے تھے کہ کوئی شخص تل بھر آگے پیچھے نہ رہنے پائے۔ لڑائی میں شور وغل عام بات ہے لیکن منع کر دیا گیا کہ کسی کے منہ سے آواز تک نہ نکلنے پائے۔

اس موقع پر بھی جبکہ دشمن کی عظیم الشان تعداد مقابل تھی اور مسلمانوں کی طرف ایک آدمی بھی آکر بڑھ جاتا تو کچھ نہ کچھ مسرت ہوتی۔ آنحضرت ﷺ ہمہ تن وفا تھے۔ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ اور حضرت حسیلؓ دو صحابی کہیں سے آ رہے تھے۔ راہ میں کفار نے روکا کہ محمد ﷺ کی مدد کو جا رہے ہو؟ انہوں نے انکار کیا اور عدم شرکت کا وعدہ کیا۔ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو صورت حال عرض کی۔ فرمایا "ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے۔ ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے"۔

اب دو صفیں آمنے سامنے مقابل تھیں۔ حق و باطل، نور وظلمت، کفر و اسلام۔ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ (ال عمران: ۱۳) جو لوگ باہم لڑے ان میں تمہارے لئے عبرت کا نشان ہے۔ ایک خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا منکر خدا تھا۔

آنحضرت ﷺ کی بارگاہ الٰہی میں مناجات

یہ عجیب منظر تھا۔ اتنی بڑی وسیع دنیا میں توحید کی قسمت صرف چند جانوں پر منحصر تھی۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتے تھے "خدایا! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر"۔ محویت اور بے خودی کے عالم میں چادر کندھے پر سے گر پڑتی تھی اور آپ ﷺ کو خبر تک نہ ہوتی تھی۔ کبھی سجدہ میں گرتے تھے اور فرماتے تھے "خدایا! اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا"۔

اس بے قراری پر بندگانِ خاص کو رقت آ گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی "حضور ﷺ خدا اپنا وعدہ وفا کرے گا"۔ آخر روحانی تسکین کے ساتھ

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (القمر: ۴۵) فوج کو شکست دی جائے گی اور وہ پشت پھیر دیں گے۔ پڑھتے ہوئے لب مبارک فتح کی پیشین گوئی سے آشنا ہوئے۔

قریش کی فوجیں اب بالکل قریب آ گئیں۔ تاہم آپ ﷺ نے صحابہؓ کو پیش قدمی سے روکا۔ اور فرمایا کہ جب دشمن

پاس آجائیں تو تیر سے روکو۔ یہ معرکہ ایثار اور جاں بازی کا سب سے بڑا حیرت انگیز منظر تھا۔ دونوں فوجیں سامنے آئیں تو لوگوں کو نظر آیا کہ خود ان کے جگر کے ٹکڑے تلوار کے سامنے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے (جواب تک کافر تھے) میدان جنگ میں بڑھے تو حضرت ابوبکرؓ تلوار کھینچ کر نکلے۔ عتبہ میدان میں آیا تو حضرت حذیفہؓ (عتبہ کے فرزند تھے) اس کے مقابلہ کو نکلے حضرت عمرؓ کی تلوار ماموں کے خون سے رنگین تھی۔

لڑائی کا آغاز

لڑائی کا آغاز یوں ہوا کہ سب سے پہلے عامر حضرمی جس کو بھائی کے خون کا دعویٰ تھا آگے بڑھا۔ مجیع حضرت عمرؓ کا غلام اس کے مقابلہ کو نکلا اور مارا گیا۔ عتبہ جو سردار لشکر تھا ابوجہل کے طعنہ سے سخت برہم تھا۔ سب سے پہلے وہی بھائی اور بیٹے کو لے کر میدان میں نکلا اور مبارزطلبی کی۔ عرب میں دستور تھا کہ نامور لوگ کوئی امتیازی نشان لگا کر میدان جنگ میں جاتے تھے۔ عتبہ کے سینہ پر شتر مرغ کے پر تھے۔ حضرت عوفؓ، حضرت معاذؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ مقابلہ کو نکلے۔ عتبہ نے نام پوچھا اور جب یہ معلوم ہوا کہ انصار ہیں تو عتبہ نے کہا ہم کو تم سے غرض نہیں۔ پھر آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب کر کے پکارا کہ محمدؐ! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں۔ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق انصار ہٹ آئے اور حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبیدہؓ میدان میں آئے۔ (چونکہ یہ لوگ خود پہنے تھے جس سے چہرے چھپ گئے تھے''۔ عتبہ نے پوچھا تم کون ہو؟ سب نے نام ونسب بتائے۔ عتبہ نے کہا ''ہاں اب ہمارا جوڑ ہے''۔

عتبہ حضرت حمزہؓ سے اور ولید حضرت علیؓ سے مقابل ہوا اور دونوں مارے گئے۔ لیکن عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہؓ کو زخمی کیا۔ حضرت علیؓ نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا۔ اور حضرت عبیدہؓ کو کندھے پر اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے۔ حضرت عبیدہؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں دولت شہادت سے محروم رہا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''نہیں تم نے شہادت پائی''۔ حضرت عبیدہؓ نے کہا آج ابوطالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ ان کے اس شعر کا مستحق میں ہوں۔

ونسلمه حتی نصرع حوله　　ونذهل عن ابنائنا والحلائل

ہم محمد ﷺ کو اس وقت دشمنوں کے حوالہ کریں گے جب ان کے گرد لڑ کر مر جائیں اور ہم اپنے بیٹوں اور بیبیوں سے بھلا نہ دیئے جائیں۔ سعید بن العاص کا بیٹا (عبیدہ) سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا صف سے نکلا۔ اور پکارا کہ ''میں ابوکرش ہوں''۔ حضرت زبیرؓ اس کے مقابلہ کو نکلے اور چونکہ صرف اس کی آنکھیں نظر آتی تھیں تاک کر آنکھ میں برچھی ماری وہ زمین پر گرا اور مر گیا۔ برچھی اس طرح پیوست ہو گئی تھی کہ حضرت زبیرؓ نے اس کی لاش پر پاؤں اڑا کر کھینچا تو بڑی مشکل سے نکلی لیکن دونوں سرے خم ہو گئے۔ یہ برچھی یادگار رہی یعنی حضرت زبیرؓ سے آنحضرت ﷺ نے مانگ لی۔ پھر چاروں خلفاء کے پاس منتقل ہوتی رہی۔ پھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس آئی۔

حضرت زبیرؓ نے اس معرکہ میں کئی کاری زخم اٹھائے۔ شانہ پر جو زخم تھا اتنا گہرا تھا کہ اچھے ہو جانے پر اس میں انگلی چلی جاتی تھی۔ چنانچہ ان کے بیٹے (عروہ) بچپن میں ان زخموں سے کھیلا کرتے تھے۔ جس تلوار سے لڑے تھے وہ لڑتے لڑتے کر گئی تھی چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہوئے تو عبدالملک نے عروہ سے کہا تم زبیرؓ کی تلوار پہچان لو گے؟ انہوں نے کہا ''ہاں'' عبدالملک نے پوچھا ''کیوں کر''؟ بولے کہ بدر کے معرکہ میں اس میں دندانے پڑ گئے تھے۔ عبدالملک نے تصدیق کی اور یہ مصرع پڑھا ع بھن فلول من قراع الکتائب عبدالملک نے تلوار عروہؓ کو دے دی انہوں نے اس کی قیمت انکوائی تو تین ہزار ٹھہری۔ اس کے قبضہ پر چاندی کا کام تھا۔

اب عام حملہ شروع ہو گیا۔ مشرکین اپنے بل بوتے پر لڑ رہے تھے لیکن ادھر سرور عالم سربسجدہ صرف خدا کی قوت کا سہارا ڈھونڈھ رہا تھا۔

ابو جہل کا قتل

ابو جہل کی شرارت اور دشمنیٔ اسلام کا عام چرچا تھا۔ اس بنا پر انصار میں سے معوذؓ اور معاذؓ دو بھائیوں نے عہد کیا تھا کہ یہ شقی جہاں نظر آجائے گا یا اس کو مٹا دیں گے یا خود مٹ جائیں گے۔ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کا بیان ہے کہ میں صف میں تھا کہ دفعتہً مجھ کو داہنے بائیں دونو جوان نظر آئے۔ ایک نے مجھ سے کان میں پوچھا کہ ابو جہل کہاں ہے؟ میں نے کہا برادر زادہ! ابو جہل کو پوچھ کر کیا کرے گا؟ بولا کہ میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ ابو جہل کو جہاں دیکھ لوں گا یا اسے قتل کر دوں گا یا خود لڑ کر مارا جاؤں گا؟ میں جواب نہیں دینے پایا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے کانوں میں یہی باتیں کہیں۔ میں نے دونوں کو اشارہ سے بتایا کہ ابو جہل وہ ہے۔ بتانا تھا کہ دونوں باز کی طرح جھپٹے اور ابو جہل خاک پر تھا۔ دونوں جوان عفراء کے بیٹے تھے۔ ''معوذؓ اور معاذؓ''۔ ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے عقب سے آکر معاذؓ کے بائیں شانہ پر تلوار ماری جس سے بازو کٹ گیا لیکن تسمہ باقی لگا رہا۔ معاذؓ نے عکرمہ کا تعاقب کیا۔ وہ بچ کر نکل گیا۔ معاذؓ اسی حالت میں لڑ رہے تھے لیکن ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہوتی تھی۔ ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا کہ تسمہ بھی الگ ہو گیا اور اب وہ آزاد تھے۔

آنحضرت ﷺ نے لڑائی سے پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ ''کفار کے ساتھ جو لوگ آئے ہیں ان میں ایسے بھی ہیں جو خوشی سے نہیں بلکہ قریش کے جبر سے آئے ہیں۔'' ان لوگوں کے نام بھی آپ ﷺ نے بتا دیئے تھے۔ ان میں ابوالبختری بھی تھا۔ مجذر کی نظر (جو انصار کے حلیف تھے) ابوالبختری پر پڑی۔ مجذر نے کہا چونکہ رسول اللہ ﷺ نے تیرے قتل سے منع فرمایا ہے اس لئے تجھ کو چھوڑ دیتا ہوں۔ ابوالبختری کے ساتھ اس کا ایک رفیق بھی تھا۔ ابوالبختری نے کہا ''اس کو بھی''؟ مجذر نے کہا ''نہیں''۔ ابوالبختری نے کہا تو میں خاتونانِ عرب کا یہ طعنہ نہیں سن سکتا کہ ابوالبختری نے اپنی جان بچانے کیلئے رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا۔ یہ کہہ کر ابوالبختری یہ رجز پڑھتا ہوا مجذر پر حملہ آور ہوا اور مارا گیا:

لن یسلم ابن حرۃ زمیلہ
حتیٰ یموت اویریٰ سبیلہ

شریف زادہ اپنے رفیق کو چھوڑ نہیں سکتا جب تک کہ مر نہ جائے یا وہ اپنا راستہ نہ دیکھ لے۔ عتبہ اور ابو جہل کے مارے جانے سے قریش کا پائے ثابت اکھڑ گیا اور فوج میں بے دلی چھا گئی۔

امیہ کا قتل

آنحضرت ﷺ کا شدید دشمن امیہ بن خلف بھی جنگ بدر میں شریک تھا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے اس سے کسی زمانہ میں معاہدہ کیا تھا کہ وہ مدینہ میں آئے گا تو یہ اس کی جان کے ضامن ہوں گے۔ بدر میں اس دشمن خدا سے انتقام کا خوب موقع تھا۔ لیکن چونکہ عہد کی پابندی اسلام کا شعار ہے، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے چاہا کہ وہ بچ کر نکل جائے۔ اس کو لے کر ایک پہاڑ پر چلے گئے۔ اتفاق یہ کہ حضرت بلالؓ نے دیکھ لیا۔ انصار کو خبر کر دی۔ دفعتہً لوگ ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا لوگوں نے اس کو قتل کر دیا۔ لیکن اس پر بھی قناعت نہ کی اور امیہ کی طرف بڑھے۔ انہوں نے امیہ سے کہا کہ تم زمین پر لیٹ جاؤ۔ یہ لیٹ گیا تو یہ اس پر چھا گئے کہ لوگ اس کو مارنے نہ پائیں۔ لیکن لوگوں نے ان کی ٹانگوں کے اندر سے ہاتھ ڈال کر اسے قتل کر دیا۔ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف کی بھی ایک ٹانگ زخمی ہوئی اور زخم کا نشان مدتوں تک قائم رہا۔

حضرت عباسؓ، عقیلؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) نوفل، اسود بن عامر، عبد اللہ بن زمعہ اور بہت سے بڑے بڑے معزز لوگ گرفتار ہوئے۔

آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی شخص جا کر خبر لائے کہ ابو جہل کا کیا

انجام ہوا؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جا کر لاشوں میں دیکھا تو زخمی پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا۔ بولے تو ابوجہل ہے"؟ اس نے کہا "ایک شخص کو اس کی قوم نے قتل کر دیا تو یہ فخر کی کیا بات ہے"۔ ابوجہل نے ایک دفعہ ان کو تھپڑ مارا تھا۔ انہوں نے اس کے انتقام میں اس کی گردن پر پاؤں رکھا۔ ابوجہل نے کہا او بکری چرانے والے! دیکھ تو کہاں پاؤں رکھتا ہے۔ حضرت عبد اللہؓ بن مسعود اس کا سر کاٹ لائے اور آنحضرت ﷺ کے قدموں پر ڈال دیا۔

مسلمانوں کی فتح اور اس کے اسباب

مغربی مؤرخین کو جن کے نزدیک عالم اسباب میں جو کچھ ہے صرف اسباب ظاہری کے نتائج ہیں، حیرت ہے کہ تین سو پیدل آدمیوں نے ایک ہزار جن میں سو سواروں کا رسالہ تھا، کیونکر فتح پائی۔ لیکن تائید آسانی نے بارہا ایسے حیرت انگیز مناظر دکھائے ہیں۔ تاہم اس واقعہ میں ظاہر بینوں کے اطمینان کے سامان بھی موجود ہیں۔ اول تو قریش میں باہم اتفاق نہ تھا۔ عتبہ سردار لشکر لڑنے پر راضی نہ تھا۔ قبیلہ زہرہ کے لوگ بدر تک آ کر واپس چلے گئے۔ پانی برسنے سے موقع جنگ کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ قریش جہاں صف آراء تھے وہاں کیچڑ اور دلدل کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل تھا۔ قریش مرعوب ہو کر اسلامی فوج کا تخمینہ غلط کر رہے تھے یعنی اپنی تعداد سے دوگنا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے: يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ (ال عمران: ۱۳) وہ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو اپنے آپ سے دوگنا دیکھ رہے تھے۔

کفار کی فوج میں کوئی ترتیب اور صف بندی نہ تھی۔ بخلاف اس کے آنحضرت ﷺ نے خود دست مبارک میں تیر لے کر نہایت ترتیب سے صفیں درست کی تھیں۔ مسلمان رات کو اطمینان سے سوئے تھے۔ صبح اٹھے تو تازہ دم تھے۔ بخلاف اس کے کفار بے اطمینانی کی وجہ سے رات کو سو نہ سکے تھے۔

تاہم یہ اسباب ہیں۔ ان کا اجتماع اور تہیہ یہی تائید الٰہی ہے۔ پھر قریش اور مسلمانوں کی فوج کا باہم مقابلہ کرو تو نظر آئے گا کہ عام فوجی نظر کیا مسلمانوں کی فتح کی مقتضی تھی۔ قریش کی فوج میں بڑے بڑے دولت مند تھے جو تنہا تمام فوج کی رسد کا سامان کرتے تھے۔ مسلمانوں کے پاس کچھ نہ تھا۔ قریش کی تعداد ایک ہزار تھی۔ مسلمان صرف تین سو تھے۔ قریش میں سو سوار تھے۔ مسلمانوں کی فوج میں صرف دو گھوڑے تھے۔ مسلمانوں میں بہت کم سپاہی تمام ہتھیاروں سے پورے تھے اور ادھر قریش کا ہر سپاہی لوہے میں غرق تھا۔

بایں ہمہ خاتمۂ جنگ پر معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں سے صرف چودہ شخصوں نے شہادت پائی جن میں چھ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ لیکن دوسری طرف قریش کی اصلی طاقت ٹوٹ گئی۔ اور روسائے قریش جو شجاعت میں نامور اور قبائل کے سپہ سالار تھے ایک ایک کر کے مارے گئے۔ ان میں شیبہ، عتبہ، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ بن الاسود، عاص بن ہشام، امیہ بن خلف، منبہ بن الحجاج، قریش کے سرتاج تھے۔ قریباً ستر آدمی قتل اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ اسیران جنگ میں سے عقبہ اور نضر بن حارث قتل کر دیئے گئے۔ باقی گرفتار ہو کر مدینہ میں آئے۔ ان میں حضرت عباسؓ، عقیل (حضرت علیؓ کے بھائی)، ابو العاص (آنحضرت ﷺ کے داماد) بھی تھے۔

مقتولین بدر کی تدفین

لڑائیوں میں آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ جہاں کوئی لاش نظر آتی تھی آپؐ اس کو زمین میں دفن کرا دیتے تھے۔ لیکن اس موقع پر کشتوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس لئے ایک ایک کا الگ الگ دفن کرانا مشکل تھا۔ ایک وسیع کنواں تھا۔ تمام لاشیں آپ ﷺ نے اس میں ڈلوا دیں۔ لیکن امیہ کی لاش پھول کر اس قابل نہیں رہی تھی کہ جگہ سے ہٹائی جاوے۔ اس لئے وہیں خاک میں دبا دی گئی۔

اسیران جنگ جب مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے سامنے آئے تو حضرت سودہؓ (آنحضرتؐ کی زوجۂ محترمہ) بھی تشریف رکھتی تھیں۔

ان قیدیوں میں ان کے عزیز سہیل بن عمر بھی تھے۔ ان پر نگاہ پڑی تو بے ساختہ بول اٹھیں کہ تم نے بھی عورتوں کی طرح خود بیڑیاں پہن لیں۔ یہ نہ ہو سکا کہ لڑکر مر جاتے۔

گرفتارانِ بدر اور ان کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک

اسیران جنگ دو دو، چار چار صحابہؓ کو تقسیم کر دیئے گئے اور ارشاد ہوا کہ آرام کے ساتھ رکھے جائیں۔ صحابہؓ نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ ان کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے تھے۔ ان قیدیوں میں ابوعزیز بھی تھے جو حضرت مصعب بن عمیرؓ کے بھائی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ مجھ کو جن انصاریوں نے اپنے گھر میں قید کر رکھا تھا جب صبح یا شام کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اٹھا لیتے۔ مجھ کو شرم آتی اور میں روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا۔ لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھی کو واپس دیتے اور یہ اس بنا پر تھا کہ آنحضرت ﷺ نے تاکید کی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

(قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو تھا جو نہایت فصیح اللسان تھا اور عام مجمعوں میں آنحضرت ﷺ کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا "یارسول اللہ ﷺ! اس کے دو نیچے کے دانت اکھڑوا دیجئے کہ پھر اچھا نہ بول سکے"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں اگر اس کے عضو بگاڑوں گا (مثلہ) تو گو نبی ہوں لیکن خدا اس کی جزا میں میرے اعضا بھی بگاڑے گا۔

حضرت عباسؓ کے بدن پر کرتا نہ تھا۔ لیکن ان کا قد اس قدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتہ ان کے بدن پر ٹھیک نہیں اترتا تھا۔ عبداللہ ابن ابی (رئیس المنافقین) نے کہ حضرت عباسؓ کا ہم قد تھا اپنا کرتہ منگوا کر دیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عبداللہ کے کفن کیلئے جو اپنا کرتہ عنایت فرمایا تھا وہ اسی احسان کا معاوضہ تھا۔

قیدیوں کی نسبت مشورہ

عام روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں آکر صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ اسیران جنگ کے معاملہ میں کیا کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ سب اپنے ہی عزیز و اقارب ہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جائیں۔ لیکن حضرت عمرؓ کے نزدیک اسلام کے مسئلہ میں دوست دشمن، عزیز و بیگانہ، قریب و بعید کی تمیز نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے یہ رائے دی کہ سب قتل کر دیئے جائیں اور ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کرے۔ آنحضرت ﷺ نے صدیق اکبرؓ کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اس پر خدا کا عتاب آیا اور یہ آیت اتری۔ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (الانفال:68) اگر خدا کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا اس پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ یہ عتاب ربانی سن کر رو پڑے۔

نزولِ عتاب کا سبب

یہ روایت تمام تاریخوں میں مذکور اور احادیث میں بھی موجود ہے۔ لیکن سبب عتاب کے بیان میں اختلاف ہے۔ ترمذی میں جو روایت ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ اس وقت تک مال غنیمت کے متعلق احکام نہیں آئے تھے۔ عرب کے عام دستور کے موافق صحابہؓ غنیمت میں مصروف ہو گئے اس پر عتاب آیا۔ لیکن چونکہ اس کے متعلق پہلے کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا اس لئے یہ جرم معاف کر دیا گیا اور حکم آیا کہ مال غنیمت جو ہاتھ آ چکا حلال ہے۔ قرآن مجید میں عتاب کے بعد یہ الفاظ ہیں۔ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا (الانفال:۶۹) تو جو تم نے لوٹا ہے اب کھاؤ کہ حلال طیب ہے۔

اس آیت میں صاف تصریح ہے کہ مال جو ہاتھ آیا تھا وہ حلال کر دیا گیا اور وہ مال غنیمت تھا۔ غرض صحیح مسلم اور ترمذی دونوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عتاب فدیہ لینے یا مال غنیمت لوٹنے پر تھا۔ صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں کہ جب عتاب کی آیت نازل ہوئی تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے اور جب حضرت عمرؓ نے سبب دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابکی الذی عرض علی اصحابک من اخذھم الفداء یعنی تمہارے ساتھیوں نے جو فدیہ لیا اس پر جو خدا کی طرف سے پیش کیا گیا اس پر میں رو رہا ہوں۔ عموماً لوگوں نے غلط فہمی سے یہ سمجھا کہ عتاب اس پر آیا کہ اسیران جنگ کو قتل کیوں نہیں کر ڈالا چنانچہ لوگوں نے اس آیت اسے استدلال کیا ہے: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ (الانفال: ٦٧) کسی نبی کو یہ مناسب نہیں کہ بغیر اچھی طرح خونریزی کرنے کے لوگوں کو قیدی بنائے۔ لیکن اس آیت کا صرف یہ ماحصل ہے کہ میدان جنگ میں جب تک کافی خونریزی نہ ہو چکے قیدی بنانا مناسب نہیں۔ اس سے یہ کیوں کر ثابت ہو سکتا ہے کہ اگر خونریزی سے پہلے لوگ گرفتار کر لئے گئے تو لڑائی کے بعد بھی قتل کئے جا سکتے ہیں۔

بہر حال اسیران جنگ سے چار چار ہزار درہم فدیہ لیا گیا لیکن جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے وہ چھوڑ دیئے گئے۔ ان میں سے جو لکھنا جانتے تھے ان کو حکم ہوا کہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں تو چھوڑ دیئے جائیں گے۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔

انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ حضرت عباسؓ ہمارے بھانجے ہیں ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات کی بنا پر گوارا نہیں فرمایا اور ان کو بھی فدیہ ادا کرنا پڑا۔ فدیہ کی عام مقدار چار چار ہزار درہم تھی لیکن امراء سے زیادہ لیا گیا۔ حضرت عباسؓ دولت مند تھے اس لئے ان سے بھی زیادہ رقم وصول کی گئی۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ لیکن ان کو کیا معلوم تھا کہ اسلام نے جو مساوات قائم کی اس میں قریب و بعید، عزیز و بیگانہ، عام و خاص کے تمام تفرقے مٹ چکے تھے۔ (لیکن ایک طرف تو ادائے فرض کی یہ مساوات تھی دوسری طرف محبت کا یہ تقاضا تھا کہ حضرت عباسؓ کی کراہ سن کر رات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام نہ فرما سکے۔ لوگوں نے ان کی گرہ کھولی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام فرمایا۔

حضرت ابوالعاصؓ کی گرفتاری، رہائی اور قبول اسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص بھی اسیران جنگ میں آئے تھے! ان کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو (جو ان کی زوجہ تھیں اور مکہ میں تھیں) کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں۔ حضرت زینبؓ کا جب نکاح ہوا تھا تو حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں ان کو ایک قیمتی ہار دیا تھا۔ حضرت زینبؓ نے زر فدیہ کے ساتھ وہ ہار بھی گلے سے اتار کر بھیج دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو پچیس برس کا محبت انگیز واقعہ یاد آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے اختیار رو پڑے اور صحابہؓ سے فرمایا کہ تمہاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دو۔ سب نے تسلیم کی گردنیں جھکا دیں اور وہ ہار واپس کر دیا۔

(ابوالعاص رہا ہو کر مکہ آئے اور حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیا۔ ابوالعاص بہت بڑے تاجر تھے۔ چند سال کے بعد بڑے سر و سامان سے شام کی تجارت لے کر نکلے۔ واپسی میں مسلمان دستوں نے ان کو مع تمام مال و اسباب گرفتار کر لیا۔ اسباب ایک ایک سپاہی پر تقسیم ہو گیا۔ یہ چھپ کر حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے انہوں نے پناہ دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ اگر مناسب سمجھو تو ابوالعاص کا اسباب واپس کر دو۔ پھر تسلیم کی گردنیں جھک گئیں اور سپاہیوں نے ایک ایک دھاگا تک لا لا کر واپس کر دیا۔ اب یہ وار ایسا نہ تھا جو خالی جاتا۔ ابوالعاص مکہ آئے اور تمام شرکاء کو حساب سمجھا کر دولت اسلام سے فائز ہوئے اور کہہ دیا کہ میں اس لئے یہاں آ کر اور حساب سمجھا کر جاتا ہوں تا کہ یہ نہ کہو کہ ابوالعاصؓ ہمارا روپیہ کھا کر تقاضے کے ڈر سے

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک پر

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

زیارت قبر سے میت کو نفع ہونا

قولہ تعالیٰ: وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ التوبہ:84

ترجمہ: اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوجئے۔

قیام علی القبر بغرض زیارت و دعا کو صلوٰۃ علی المیت کے ساتھ مقرون کرنا دلیل ظاہر ہے اس پر کہ نماز جنازہ کی طرح یہ قیام مذکور بھی میت کے لئے نافع ہے اور اسی لئے ایسے شخص کی قبر پر جو کہ اس نفع کا اہل نہیں قیام کرنے کو منع فرمایا گیا اور یہ نفع قبر پر حاضر ہو کر دعا وغیرہ کرنے کا اس نفع سے زائد ہے جو غیبت میں دعا کرنے سے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔"

حضرت تھانویؒ نے اس سے بڑا عجیب مسئلہ اخذ کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض لوگوں کی قبر پر تشریف لے جانے سے منع کر دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا جنازہ بھی نہیں پڑیں گے۔ وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ان کی قبر پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے نہیں ہوں گے۔ فرماتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح میت کا جنازہ پڑھا جائے تو اسے فائدہ ہوتا ہے اسی طرح اللہ کا کوئی نیک بندہ اگر اس کی قبر پر جا کر کھڑا ہو جائے تو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ تو فرمایا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دُور رہ کر میت کے لئے جو دعا کی جاتی ہے اسے اگر قبر پر جا کر دعا کی جائے تو دور کی دعا سے اس دعا کا فائدہ زیادہ ہوگا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجیب مظاہر ہیں۔ کتاب الحیوان بہت بڑی سی کتاب ہے اور اس کا موضوع تو حیوانوں کی زندگی ہے۔ حیات الحیوان ہی نام ہے اس کا اور اس میں حضرت مصنف نے الف سے لے کر ے تک ہر حروف تہجی سے جتنے حیوانات کے پرندوں درندوں چرندوں کے نام بنتے تھے جوان کے مطالعہ میں آئے اتنی بڑی کتاب لکھ دی۔ ان کا طریق توالد و تناسل، ان کی عادات، ان کی غذا، ان سے متعلق صحت، بیماریاں اور انسان کے کام آنے والے بعض نسخے جو بن سکتے ہیں وہ تفصیل سے لکھے ہیں۔ اس میں انہوں نے بہت سی احادیث، روایات بھی نقل کی ہیں۔ وہ اپنی دھن میں لکھتے ہیں تو بہت کچھ لکھ جاتے ہیں۔ اس میں انہوں نے ایک واقعہ لکھ دیا میں نے اسے حیات الحیوان میں پڑھا۔ فرماتے ہیں کہ کسی کا ایک دوست کوئی فوت ہو گیا۔ وہ زیادہ باعمل نہیں تھا یہ جو دوسرا دوست تھا یہ باعمل بھی تھا اور روز اس کی قبر پر جاتا تلاوت کیا کرتا تھا کہ مرنے والے کو ثواب ہو۔ تو فرماتے ہیں کہ ایک دن خواب میں اس کی اس دوست سے ملاقات ہوئی کہنے لگا خدا کے لئے میری قبر پر تلاوت کرنا چھوڑ دو۔ اس نے کہا تو کیا کہتا ہے میں تو تیری بھلائی کے لئے یہ وقت نکال کر کام چھوڑ کر تلاوت کے لئے تیری قبر پر آتا ہوں۔ اس نے کہا، تو جو آیت پڑھتا ہے مجھے اس کے بدلے میں جوتے پڑتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ کیا تم نے یہ آیت دنیا میں نہیں سنی تھی جواب سن رہا ہے۔ اگر سنی تھی تو اس پر عمل کیا تھا؟ تو نے تو جوتے مروا مروا کر میرا سر گنجا کروا دیا۔ تو میری قبر پر نہ آیا کر۔ تو حضرت فرماتے ہیں کہ قبر پر جانے سے فائدہ ہوتا ہے مگر فائدہ انہی کو ہوتا ہے جن میں استفادہ کرنے کی استعداد ہوتی ہے اور وہ ہے نور ایمان اور فائدہ ان سے ہوتا ہے جو فائدہ دینے کے اہل ہیں یہ ہر ایک کے لئے

نہیں ہے۔اس کے لئے میں نے حیات الحیوان کا قصہ بیان کر دیا کہ مجھ سے دلیل لے کر سارے قبروں کی طرف نہ بھاگ پڑیں۔اپنی اپنی اہلیت اور استعداد کی بات ہے۔

نیت کامثل عمل کے نافع ہونا

قولہ تعالیٰ: لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ التوبہ:91

ترجمہ: کم طاقت والے لوگوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کو خرچ کرنے کو میسر نہیں جبکہ یہ لوگ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خلوص رکھیں۔

اس میں دلیل ہے اس پر کہ جو شخص کسی عذر کے سبب کسی عمل سے قاصر ہو مگر نیت اس کی یہ ہو کہ اگر مجھ کو قدرت ہوتی تو یہ عمل ضرور کرتا تو وہ برکات سے محروم نہیں رہتا۔"

اس میں دلیل ہے اس پر کہ جو شخص کسی عذر کے سبب کسی عمل سے قاصر ہو جبکہ اس کی نیت یہ ہو کہ اگر مجھے قدرت ہوتی تو ضرور کرتا تو وہ برکات سے محروم نہ رہے گا۔یعنی بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں جو واقعی معذور ہوتے ہیں۔ان کے پاس کچھ ہے ہی نہیں وہ اللہ کی راہ میں خرچ کیسے کرے گا، صدقہ کیسے دے گا۔ایسا اتفاق ہوتا ہے یہاں بھی کچھ ساتھی ایسے آجاتے ہیں واپسی کا کرایہ نہیں ہوتا اللہ توفیق دیتا ہے تو میں دے دیتا ہوں یہاں رہتے ہیں اللہ انہیں لنگر سے کھانا بھی دیتا ہے، پانی بھی استعمال کرتے ہیں، بجلی بھی استعمال کرتے ہیں، اللہ اللہ کرتے ہیں لیکن واقعی غریب ہوتے ہیں پتہ نہیں کیسے یہاں پہنچتے ہیں اور واپسی کے لئے معذور ہیں تو ایسے لوگ جو واقعی معذور ہوں بہانے نہ کرتے ہوں اور ان کی نیت میں خلوص ہو تو جس کام کا ارادہ کیا لیکن کر نہ سکے اللہ اس کا اجر بھی اسے دے دیں گے لیکن خلوص ہو نیت کھری ہو اور ایسے ہوں کہ اگر انہیں توفیق ہوتی تو وہ ضرور نیکی کر جاتے۔

خیر وشر میں صحبت کا دخل خاص ہونا

قولہ تعالیٰ: اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا التوبہ:97

ترجمہ: دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں۔

"اس میں اشارہ ہے کہ صحبت صالحین سے بعید ہونے سے طریق خیر کے ساتھ مناسبت میں کمی ہو جاتی ہے۔اسی لئے اہل طریق صحبت کا اہتمام بلیغ کرتے ہیں۔"

فرماتے ہیں کہ یہ جو فرمایا گیا کہ جو آپ کے ساتھ شہر میں ہیں ان میں تو اگر منافق بھی ہیں تو منافقت کم ہے جو لوگ دیہات میں پڑے ہیں وہ منافقت میں اور اسلام کی مخالفت میں بڑے شدید ہیں تو حضرت اس سے یہ دلیل لیتے ہیں کہ مشائخ کے پاس یا قریب رہنے سے نیکی کی توفیق زیادہ ہوتی ہے اور دور رہنے سے وہ کیفیات کم ہو جاتی ہیں اور توفیق عمل کا وہ معیار نہیں رہتا تو اس لئے اہل طریق صحبت کا اہتمام بلیغ یعنی زیادہ زور دے کر صحبت کا اہتمام کرتے ہیں۔

سہولت انفاق کی تدبیر

قولہ تعالیٰ: وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا التوبہ:98

ترجمہ: اور ان دیہاتیوں میں سے بعض بعض ایسا ہے کہ جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کو جرمانہ سمجھتا ہے۔الخ

"روح میں ہے جو شخص اپنے کو مالک سمجھے گا اس کو خرچ کرنا تاوان معلوم ہوگا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو مالک سمجھے گا اور اپنے پاس اشیاء کو عاریت سمجھے گا اس کو خرچ کرنا غنیمت معلوم ہوگا۔"

روح المعانی میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ سمجھنے کے دو طریقے ہیں۔ایک شخص کے پاس مال ہے وہ سمجھتا ہے کہ مال اللہ کا ہے

میں امین ہوں مجھے کچھ دنوں کے لئے اس نے دیا ہے۔

میں زمین پر بیٹھا ہوا تھا ایک آدمی آیا کہنے لگا آپ کی بہت بڑی زمینداری ہے۔ میں نے کہا میری نہیں ہے ان الارض یرثہا من یشاء زمین اللہ کی ہے جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ یہ میرے باپ دادا کے پاس نہیں تھی۔ اللہ نے مجھے دے دی ہے کل پتہ نہیں کس کو دے دے گا۔ تو یہ میری نہیں ہے میرے پاس امانت ہے۔ فرمایا جو مال کو امانت اور اللہ کو مالک سمجھتا ہے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے تکلیف نہیں ہوتی۔ اور جو خود کو مالک سمجھ لیتا ہے پھر اس کے لئے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا حتیٰ کہ زکوٰۃ دینا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ فرمایا یہ بندے کے اپنے ایمان اور یقین اور اس کی سمجھ پر منحصر ہے۔

کشف مغیبات کا دعویٰ

قولہ تعالیٰ: لَا تَعْلَمُهُمْ ۚ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ التوبہ: 101

ترجمہ: آپ ان کو نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔

روح میں ہے کہ اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ امور خفیہ مثل اعمال قلب وغیرہ پر مطلع ہونے کا دعویٰ نازیبا ہے اور اس قسم کی آیتیں قوی دلیل ہیں اس شخص کے اوپر جو بجز دصفاء قلب اور تجرد نفس کے کشف اور اطلاع علی المغیبات کا دعویٰ کرنے لگتا ہے اور اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی صریح نفی کی گئی ہے۔"

منافقین کے بارے اللہ نے فرمایا کہ میرے حبیب ﷺ آپ انہیں نہیں جانتے، میں انہیں خوب جانتا ہوں، تو اللہ کریم نے منافقین کی کوئی فہرست تو شائع نہیں کی ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم دے دیا تھا۔ حضور ﷺ منافقین کو جانتے تھے اور بعض اکابر صحابہ بھی حضور ﷺ سے جان کر جانتے تھے فرمایا، لیکن اس میں علم غیب کی نفی کی گئی ہے کہ غیب صرف اللہ جانتا ہے اور اللہ کا حبیب ﷺ بھی وہ جانتا ہے جو اللہ تعالیٰ خود بتا دے اور وہ علم غیب نہیں ہوتا، اطلاع عن الغیب ہوتا ہے۔ فرمایا سلوک کا جو مسئلہ ہے اس میں یہ ہے کہ جن لوگوں کو یہ وہم ہو جاتا ہے کہ میں نے کشف میں یہ دیکھا فرمایا یہ بالکل گمراہی ہے۔ اللہ جانتا ہے تم کچھ نہیں جانتے اور یہ وہی بات ہے جس کو میں اکثر کہتا رہتا ہوں ساتھیوں کو کہ اس سے بچو۔ اگر کسی کو کشفاً کوئی مشاہدہ ہوتا ہے تو یہ اللہ کا انعام ہے۔ لیکن کشف و مشاہدے کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ شریعت کے مطابق ہو۔ اگر شریعت کے مطابق ہے تو صحیح ہے۔ دوسری بات ہے کہ اگر شریعت کے مطابق ہے تو صرف اس کے لئے ہے جسے کشف ہوا ہے دوسرے کے لئے نہیں پھر دوسرے کو بتانے کا فائدہ، اور جو لوگ اپنے کاموں کا حل اور مشکلوں کا حل اہل کشف کے پاس ڈھونڈتے پھرتے ہیں یہ خود بھی گمراہ ہیں اور ان کا بھی نقصان کرتے ہیں۔ تو فرماتے ہیں اس میں قوی دلیل ہے اس شخص پر جو بجز صفائے قلب اور بغیر تجرد نفس اطلاع عن الغیب کا دعویٰ کرنے لگتا ہے یا اعمال قلب وغیرہ پر مطلع ہونے کا دعویٰ کرنے لگتا ہے پھر اس کے لئے اس میں تنبیہ کی گئی ہے۔

صفاء نفس و کدورت نفس کے اسباب کی تحقیق اور شیخ کے بعض وظائف کی تفصیل

قولہ تعالیٰ: وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ التوبہ: 102

ترجمہ: اور کچھ اور لوگ ہیں جو اپنی خطا کے مقر ہو گئے۔

"یہ وہ لوگ تھے جن میں گناہ کا ملکہ راسخ نہ تھا اور ان میں نور استعداد باقی تھا اور اسی واسطے ان کی طبیعتیں نرم ہو گئیں اور ان کی یہ شان تھی کہ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۚ (جنہوں نے ملے جلے عمل کئے تھے) جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ نفس لوامہ کے مرتبہ میں تھے جس کا اتصال بالقلب اور اس کے نور سے منور ہونا (باقی صفحہ 47 پر)

خواتین کا صفحہ

ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ام فاران، راولپنڈی

نام ونسب:۔ نام: زینبؓ، کنیت: ام الحکیم۔ ان کا تعلق قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ زینبؓ بنت جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرۃ بن مرۃ بن الکثیر بن غنم بن دودان بن سعد بن خزیمہ

والدہ کا نام: امیمہ بنت عبد المطلب تھا جو رسول کریم کی سگی پھوپھی تھیں۔ اس لحاظ سے حضرت زینبؓ حضور ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

قبول اسلام:۔ آپؓ ان خوش قسمت لوگوں میں سے تھیں جنہوں نے سابقون الاولون ہونے کا شرف حاصل کیا۔

اسد الغابہ میں ہے "حضور ﷺ نے ان کا نکاح حضرت زیدؓ سے اس لئے کیا تھا کہ زوجھا لعلمھا کتاب اللہ وسنۃ الرسول ان سے نکاح اس لئے کیا تھا کہ ان کو قرآن و سنت رسول ﷺ کی تعلیم دیں (ج ۵۔ص ۴۶۳۔ اسد الغابہ)

تقریباً ایک سال تک دونوں کا ساتھ رہا لیکن پھر تعلقات قائم نہ رہ سکے اور ناخوشگواری بڑھتی گئی۔ حضرت زیدؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں شکایت کی کہا کہ وہ حضرت زینبؓ کو طلاق دینا چاہتے ہیں۔ (صحیح ترمذی)

لیکن آنحضرت ﷺ ان کو بار بار سمجھاتے کہ طلاق نہ دیں قرآن مجید میں یہ واقعہ یوں بیان ہے۔

وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَ اتَّقِ اللّٰہَ (الاحزاب ۵)

"اور جب اس شخص سے جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا تھا یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح میں لئے رہو اور اللہ سے ڈرو"

بہر حال منشا باری تعالیٰ کچھ اور تھی یہ نباہ نہ ہونا تھا نہ ہوا اور حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔ حضرت زینبؓ کے جب ایام عدت پورے ہو چکے تو حضور ﷺ نے ان کی دلجوئی کیلئے خود ان سے نکاح کر لینا چاہا کیونکہ وہ آپ ﷺ کی ہی پروردہ تھیں اور آپ ﷺ کے فرمانے پہ ہی انہوں نے یہ رشتہ منظور کیا تھا۔ لیکن عرب میں اس وقت تک متبنیٰ اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

حضرت زیدؓ حضور ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے اور لوگوں میں زیدؓ بن محمد ﷺ کے نام سے مشہور تھے۔ اسلئے حضور ﷺ کو لوگوں (بالخصوص منافقین) کے اعتراض کے خیال سے اس نکاح میں تامل ہوا۔ لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ پس اللہ کریم نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹانے کیلئے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ وَ تَخْشَی النَّاسَ وَ اللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰہُ (الاحزاب) "تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو اللہ ظاہر کر دینے والا ہے اور لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو" اور اس کے بعد اللہ کریم نے معترضین کو بھی واضح الفاظ میں متنبہ کر دیا اور فرمایا مَا کَانَ مُحَمَّدٌ

اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَ لٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب) "لوگو! محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں"

پھر حکم ہوا اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ (الاحزاب) "لوگوں کو ان کے حقیقی باپوں کے نام سے پکارو"

حضور ﷺ سے نکاح:۔

اب کوئی امر مانع نہیں تھا چنانچہ حضور ﷺ نے یہ خدمت حضرت زید بن حارثہؓ ہی کو تفویض کی کہ وہ آپ ﷺ کا پیغام نکاح لے کر حضرت زینبؓ کے پاس جائیں۔ حضرت زیدؓ حضرت زینبؓ کے گھر گئے اور کہا "زینب رسول اللہ ﷺ کا پیغام لایا ہوں" انہوں نے کہا "میں استخارہ کئے بغیر کوئی رائے قائم نہیں کرتی" (تذکار صحابیات)

"حکایات صحابہ" میں ہے کہ جب انہوں نے آپ ﷺ کا پیغام نکاح سنا تو کہا "میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتی جب تک اپنے رب سے مشورہ نہ کرلوں"۔ یہ کہہ کر انہوں نے وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی پھر یہ دعا کی "یا اللہ! تیرے رسول ﷺ مجھ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں اگر میں ان کے قابل ہوں تو میرا ان سے نکاح فرما دے" ادھر رسول اللہ ﷺ پہ وحی بھیجی فَلَمَّا قَضٰى زَيۡدٌ مِّنۡهَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰكَهَا (الاحزاب) "پھر زیدؓ جب اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے وہ (مطلقہ خاتون) تیرے نکاح میں دے دی"

گویا خود اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کا نکاح حضرت زینبؓ سے کر دیا۔ حضور ﷺ نے انہیں یہ خوشخبری بھیجی تو حضرت زینبؓ خوشی کی وجہ سے سجدہ میں گر گئیں (حکایات صحابہ) اس کے بعد حضور ﷺ ان کے مکان پہ تشریف لے گئے اور بلا استیذان اندر چلے گئے (تذکار صحابیات) عام روایت کے مطابق اس وقت ان کی عمر ۳۵ سال تھی مشہور قول کے مطابق یہ نکاح ۵ھ میں ہوا اور اس حساب سے حضرت زینبؓ کی پیدائش نبوت سے گویا سترہ برس قبل ہوئی۔ (حکایات صحابہ)

دعوت ولیمہ:۔ حضور ﷺ نے ان کے نکاح کا ولیمہ بڑی شان سے کیا۔ بکری ذبح کی اور سالن روٹی کا انتظام کیا گیا۔ حضرت انسؓ لوگوں کو بلانے کیلئے بھیجے گئے۔ تین سو آدمی دعوت میں شریک ہوئے لوگ دس دس کی ٹکڑیوں میں آتے اور کھانا کھا کر چلے جاتے۔ سب ہی لوگوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا (تذکار صحابیات)

آیت حجاب کا نزول:۔

یہ اسی موقع کی بات ہے کہ چند لوگ کھانا کھا کر باتوں میں مشغول ہو گئے اور اٹھنے کا خیال نہ رہا۔ رسول کریم ﷺ از راہ مروت انہیں اٹھنے کیلئے نہ فرماتے اور آپ ﷺ بار بار اندر آتے اور باہر جاتے اسی مکان میں حضرت زینبؓ بھی دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھی تھیں جب حضور ﷺ کو تاخیر سے تکلیف ہوئی تو اس پہ آیت حجاب نازل ہوئی۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتَ النَّبِىِّ (الاحزاب) "اے لوگو جو ایمان لائے نبی کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو مگر ایسے وقت جب تم کو کھانے کیلئے اجازت دی جائے (وہ بھی) ایسے طور پہ تم اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب گھر بلایا جائے تب جایا کرو۔ پھر کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھو۔ اس بات سے نبی ﷺ کو ناگواری پیدا ہوتی ہے۔ پس وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ صاف بات کہنے میں لحاظ نہیں کرتا اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو" (الاحزاب)

اس آیت کے نزول کے بعد حضور ﷺ نے مکان کے دروازے پر پردہ لٹکایا اور لوگوں کو گھر کے اندر آنے کی ممانعت

ہو گئی۔

متعدد خصوصیات :۔ حضرت زینبؓ کا نکاح متعدد خصوصیات کا حامل تھا۔ جو اور کہیں نہیں پائی جاتیں۔ مثلاً

1۔ جاہلیت کی رسم کہ متبنیٰ حقیقی بیٹے کا درجہ رکھتا ہے مٹ گئی۔

2۔ لوگوں کو حکم ہوا کہ حقیقی باپ کے علاوہ کسی کو منہ بولے باپ سے منسوب نہ کرو۔

3۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زینبؓ کا نکاح وحی کے ذریعے فرمادیا۔

4۔ نہایت شاندار ولیمہ کیا گیا جس میں بکری کا گوشت اور روٹی شامل تھی۔ اس میں ام سلیمؓ کا بھیجا ہوا مالیدہ بھی شامل تھا۔ بکثرت لوگوں نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا۔

5۔ اس موقع پر آیت حجاب نازل ہوئی اور پردہ رائج ہو گیا (تذکار صحابیات)

☆ "ترمذی میں" ہے "حضرت زینبؓ کو اس پر فخر تھا کہ سب عورتوں کا نکاح ان کے اولیاء نے کیا اور ان کا نکاح اللہ جل وہ شانہٗ نے فرمایا (ترمذی۔ص۔۵۳۱) ☆ چونکہ انہیں حضرت محمد ﷺ کے ساتھ قریبی قرابت تھی اس لئے وہ ازواج میں اس خصوصیت سے ممتاز تھیں۔ خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "ازواج میں وہی رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں عزت و مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی تھیں"۔ (سیر الصحابیات) فیاضی وسخاوت :۔ "حضرت زینبؓ بہت سخی تھیں، بہت محنتی تھیں اپنے ہاتھ سے محنت کرتیں اور جو کچھ حاصل ہوتا وہ صدقہ کر دیتیں" (حکایات صحابہ) ☆ ابن سعد کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے تمام ازواج کو مخاطب کر کے فرمایا "تم میں سے وہ مجھ سے جلد ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا" ☆ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ "دراصل یہ استعارہ حضرت زینبؓ کی فیاضی کی طرف ایک اشارہ تھا لیکن ازواج مطہرات اس کو حقیقت سمجھیں تاہم لکڑی سے ہاتھ ناپے گئے تو حضرت سودہؓ کا ہاتھ سب سے لمبا تھا لیکن حضرت زینبؓ اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیش گوئی کی مصداق ثابت ہوئیں چنانچہ ازواج مطہرات میں سب سے پہلے انہوں نے ہی وفات پائی (صحیح بخاری۔ ج ا ص ۱۹۱) ☆ حضرت زینبؓ فن دباغت جانتی تھیں اور بہت محنتی تھیں اس سے جو آمدنی ہوتی راہ خدا میں صدقہ کر دیتیں (تذکار صحابیات)

پرہیزگاری اور دین داری :۔

حضرت زینبؓ نہایت دین دار، پرہیزگار، حق گو اور مخیر تھیں آپؓ روزے بہت کثرت سے رکھتی تھیں ان کے زہد و عبادت کا خود رسول اللہ ﷺ نے بھی اعتراف فرمایا ہے حافظ ابن حجر نے "اصابہ" میں لکھا ہے کہ

"ایک دفعہ حضور ﷺ مہاجرین کی جماعت میں مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ حضرت زینبؓ اس موقع پر موجود تھیں انہوں نے کوئی ایسی بات کہی جو حضرت عمر فاروقؓ کو ناگوار معلوم ہوئی انہوں نے ذرا تلخ لہجے میں حضرت زینبؓ کو دخل دینے سے منع کیا۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا "عمرؓ انسے کچھ نہ کہو یہ اواہ (یعنی بڑی عبادت گزار اور خدا سے ڈرنے والی) ہیں۔ (اصابہ۔ ج ۸۔ ص ۹۳)

حضرت عائشہؓ نے ان کے متعلق فرمایا ہے "میں نے دین کے معاملہ میں حضرت زینبؓ سے بہتر کوئی عورت نہیں دیکھی (تذکار صحابیات)

☆ واقعہ افک میں حضرت زینبؓ کی حقیقی بہن حمنہ بنت جحش بھی غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھیں لیکن رسول کریم ﷺ نے حضرت زینبؓ سے حضرت عائشہؓ کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے صاف صاف کہہ دیا "میں نے عائشہؓ میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں

دیکھا"۔(سیرت عائشہؓ)

وفات:۔ آنحضرت ﷺ کی پیشن گوئی کے مصداق آنحضرت ﷺ کے بعد ازواج مطہرات میں حضرت زینبؓ نے ہی وفات پائی

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت زینبؓ کا وظیفہ بارہ ہزار درہم مقرر کیا۔ وہ یہ وظیفہ ملتے ہی حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتیں۔ ایک دفعہ سالانہ وظیفہ ملا تو انہوں نے اس پہ کپڑا ڈال دیا اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا اس کو رشتہ داروں اور یتیموں میں تقسیم کردو"۔ کافی تقسیم کر چکی تو برزہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے؟ انہوں نے فرمایا"اس کپڑے کے نیچے جو کچھ ہے وہ تمہارا ہے" اس نے دیکھا تو پچاسی درہم نکلے۔ جب سارا مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی "یا اللہ! آئندہ میں عمر کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں" حضرت زینبؓ کی دعا قبول ہوئی اور اسی سال ان کا انتقال ہوگیا (ابن سعد ج۔۸)

"سیر الصحابیات" میں ہے کہ تمام مال تقسیم فرما کے انہوں نے یہ دعا کی "اے اللہ! آئندہ مجھے یہ مال نہ ملے کیونکہ یہ فتنہ ہے" حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپؓ نے فرمایا "زینبؓ بہت مخیر ہیں" پھر مزید ایک ہزار درہم بھیجے انہوں نے وہ بھی فوراً خیرات کر دیئے" (سیر الصحابیات)

☆ کفن کا سامان خود لیا تھا اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمرؓ بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک صدقہ کر دینا چنانچہ یہ وصیت پوری کی گئی۔ ☆ "تذکار صحابیات" میں ہے کہ وفات سے ذرا پہلے وصیت فرمائی کہ مجھے تابوتِ رسول اللہ ﷺ پر اٹھایا جائے چنانچہ ان کی وصیت پوری کی گئی۔ وفات کے دن شدید گرمی تھی حضرت عمرؓ نے قبر کی جگہ پر خیمہ لگوا دیا۔ نماز جنازہ حضرت عمرؓ نے پڑھائی۔

حضرات محمد بن عبد اللہؓ بن جحش، اسامہ بن زیدؓ، عبد اللہ بن ابی احمدؓ اور محمد بن طلحہؓ نے قبر میں اتارا اور بقیع میں سپرد خاک کیا ۔(صحیح بخاری۔ ج ا۔ص ۱۹۱)

حضرت زینبؓ نے ۲۰ھ میں وفات پائی۔ اس وقت ۵۳ برس کا سن تھا۔ آپؓ نے مال متروکہ میں صرف ایک مکان چھوڑا تھا جس کو ولید بن عبد الملک نے اپنے زمانہ حکومت میں پچاس درہم میں خرید لیا اور مسجد نبوی میں شامل کر دیا۔ (صحیح مسلم۔ ج ۲۔ص ۳۴۱)

حلیہ:۔ "حضرت زینب کوتاہ قامت لیکن خوبصورت اور موزوں اندام تھیں"۔ (زرقانی۔ جلد ۳۔ ص۔ ۱۲۸۳)

اخلاق:۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں "زینبؓ نیک خو، روزہ دار اور نماز گزار تھیں"۔ (زرقانی بحوالہ ابن سعد) ☆ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں

"میں نے کوئی عورت زینبؓ سے زیادہ دیندار، پرہیز گار، زیادہ راست گفتار، زیادہ فیاض، مخیر اور اللہ کی راہ میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی۔ فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت ہوتی تھی"۔ (مسلم۔ ج ۲۔ ص ۳۳۵)

☆ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ "جب حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو مدینہ کے فقراء میں اور مساکین میں سخت کھلبلی مچ گئی اور وہ گھبرا گئے"۔ (اصابہ ج ۸۔ ص ۹۳۔ بحوالہ ابن سعد)

☆ ایک اور جگہ پہ ہے حضرت زینبؓ کی وفات پہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا "وہ نیک، بخت بے مثل خاتون چلی گئیں اور یتیموں اور رانڈوں کو بے چین کر گئیں۔ (تذکار صحابیات)

فضل وکمال:۔ حضرت زینبؓ روایتیں بہت کم بیان کرتی تھیں۔ کتب حدیث میں ان سے صرف گیارہ روایتیں منقول ہیں۔ راویوں میں حضرت ام حبیبہؓ، زینب بنت ابی سلمہؓ، محمد بن عبد اللہ بن جحشؓ (بھتیجا) کلثوم بنت طلقؓ اور مذکورؓ (غلام) داخل ہیں۔

کرنل بشیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ — پیکرِ استقامت

محمد ذوالقرنین حیدر
دارالعرفان اسلام آباد

اللہ جلّ شانہ کا اپنا نظام ہے وہ اس کائنات کا بیلینس رکھنے کیلئے اپنے نیک اور مخلص لوگوں کی ڈیوٹی لگاتے رہتے ہیں جو اس نظام کائنات کی سالمیت کا باعث ہوتے ہیں۔ کرنل بشیر احمد رحمۃ اللہ علیہ کا شمار سلسلہ عالیہ کے عظیم اکابرین میں ہوتا ہے۔ الحمد اللہ شیخ المکرم مدظلہ العالی نے ان کی جو ڈیوٹی لگائی اس کو نبھانے کا انہوں نے حق ادا کر دیا۔ اور آخری وقت تک ایسے مجاہدانہ انداز میں کام کیا کہ ایک نوجوان بھی ان کے ساتھ سارا دن نہیں نکال سکتا تھا۔ مجھے الحمد اللہ دس سال تک ان کی رفاقت نصیب رہی۔ سن 2002ء میں جب لاہور میں کرائیسس ہوئے تو شیخ المکرم نے ان کو ہینڈل کرنے کیلئے کرنل صاحب کی ڈیوٹی لگائی۔ ان دنوں میری ڈیوٹی لاہور الاخوان ہاؤس میں تھی تو کرنل صاحب کے زیر سایہ کام کرنے کی توفیق ملی پھر 2007ء میں جب میری ڈیوٹی اسلام آباد دارالعرفان میں لگی تو یہاں کے انچارج کرنل بشیر احمد صاحبؒ ہی تھے۔ اس طرح اسلام آباد دارلعرفان میں پانچ سال ان کا ساتھ رہا۔ کرنل صاحب کا ساری زندگی یہ اعجاز رہا کہ جو ڈیوٹی شیخ المکرم کی طرف سے لگی خاموشی سے سرانجام دیتے رہے۔ اور کسی کا سہارا لیے بغیر خود ہی سارا کام کرتے۔ کبھی تھکاوٹ یا مایوسی ان کے چہرے پہ نہیں دیکھی۔ عام لوگ ان کے بارے میں اتنا ہی جانتے ہیں کہ وہ صاحب مجاز تھے اور دارالعرفان اسلام آباد کے انچارج تھے۔ لیکن وہ بیک وقت کتنی ڈیوٹیاں سرانجام دے رہے تھے یہ ایک بہت بڑی لسٹ ہے جس کو ان اوراق میں سمونا مشکل ہے۔ دنیا بھر سے ساتھیوں کی دارالعرفان منارہ آمد کا سلسلہ الحمد اللہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ ان کے ویزے اور رہائش وغیرہ کا انتظام کرنا کرنل صاحب کے ذمہ تھا۔ ان کے فارم وغیرہ پر کرنے، ان کی تصدیق کروانی، تمام ملکی ایجنسیوں سے کلیرنس کروانی اور ان کی آمد ورفت کا باسہولت انتظام وغیرہ۔ وہ سارا دن کام کرتے رہتے۔ میں ان کے ساتھ ہوتا تو ظہر کے بعد وہ مجھے کہتے، لگتا ہے آپ تھک گئے ہو چلو ایک گھنٹہ ریسٹ کر لو پھر کام کرتے ہیں اور خود کام میں لگے رہتے۔ تو میں حیران ہوتا کہ ہم نوجوان لوگوں کی بس ہو جاتی ہے اور وہ بالکل نہیں تھکتے۔

مجھ سے اگر کوئی کام رہ جاتا یا کہیں سستی ہو جاتی تو بڑی شفقت سے مجھے سمجھاتے اور بس اتنا ہی کہتے کہ" یار مس کر جاتے ہو"، کبھی اگر مجھ سے ناراض ہو کر آفس سے چلے جاتے تو میں اس ڈر سے فون نہ کرتا کہ اگر ابھی ان کی ناراضگی دور نہ ہوئی ہو تو معاملہ بڑھ جائے گا لیکن مجھے انتظار رہتا کہ وہ ضرور رابطہ کریں گے اور شام سے پہلے وہ رابطہ کر لیتے۔ ان کی یہ وسعت قلبی تھی کہ کسی بات کو وہ انا کا ذریعہ نہیں بنا لیتے تھے۔ ہمیشہ درگزر سے کام لیتے۔ ان کے ساتھ جو لوگ اٹیچ تھے ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے اور ہر وقت رابطہ میں رہتے۔ لاہور میں جن لوگوں نے سلسلہ عالیہ کو خراب کرنے کی کوشش کی اور طرح طرح کے کیس گھڑے ان سب کو کرنل صاحب نے سنبھال رکھا تھا۔ اپنے علاقہ میں جماعت کی ذمہ داریاں، اسلام آباد دفتر کا چارج اور جماعت کے معاملات کو ڈیل کر رہے تھے۔ ایک دن لاہور تاریخ سے فارغ ہو

کے واپس راولپنڈی آتے تو دوسرے دن پھر لاہور جانا پڑتا دس سال تک لگا تار یہی سلسلہ رہا۔ وہ ہمیشہ اپنی گاڑی خود چلاتے تھے۔ جب گاڑی نہ ہوتی تو عام ٹرانسپورٹ پہ لاہور جاتے۔

اپنے روزگار کیلئے انہوں نے گاؤں میں فصلیں بو رکھی تھیں اور مویشیوں کا فارم بنایا ہوا تھا جس سے ان کا روزگار چلتا۔ جب ان کے ہاں کوئی مہمان آتا تو اس کی دل کھول کر مہمان نوازی کرتے کبھی کنجوسی نہیں کرتے تھے۔ دارالعرفان اسلام آباد کے معاملے میں میں جب کوئی گزارش کرتا تو کہتے اسی طرح کرلو کبھی انہوں نے میری بات کو رد نہیں کیا تھا۔ ویسے بھی ان کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ دوسرے کی رائے کا احترام کرتے، اپنی من مانی نہیں کرتے تھے۔

دارالعرفان اسلام آباد میں ماہانہ پروگرام میں کرنل صاحب باقاعدگی سے ذکر کرواتے۔ ان کا معمول یہ تھا کہ پروگرام کے ٹائم سے آدھا گھنٹہ پہلے آتے آفس کی فائلیں چیک کرتے، دارالعرفان کے باقی معاملات پہ بات ہوتی۔ پھر جب حضرت جی کے بیان کی سی ڈی لگاتے تو باہر تشریف لے آتے، بیان سنتے، جب بیان ختم ہوتا تو ذکر کرواتے اور ذکر کے بعد آفس میں تشریف لے آتے جس کسی نے ملنا ہوتا وہ آفس میں آکے ملتا اور باہر باقی اکابرین ساتھیوں کو رشد وہدایات فرماتے۔ آخری دفعہ سترہ مارچ کو ماہانہ پروگرام میں انہوں نے شرکت کی تو ذکر کے بعد اٹھ کے ساتھیوں سے گلے ملنا شروع ہو گئے جو کہ ان کے معمول کے بالکل خلاف تھا۔ سلسلہ عالیہ کے اسلام آباد کے امیر بشیر احمد بھٹی صاحب نے اعلان کیا کہ ساتھی تشریف رکھیں ابھی کچھ بیان ہوگا تو کرنل صاحب نے کہا کہ "یار اس طرح کرفیو نہ لگاؤ میرا ان ساتھیوں سے 1980ء کا ساتھ ہے مجھے آج ان سب سے گلے ملنے دو" وہ بڑی محبت سے سب ساتھیوں کو گلے ملے اور نوجوان لڑکوں کے کاندھے پہ تھپکی بھی لگائی۔

اس کے بعد کرنل صاحب کا دورہ لاہور شروع ہوا جس میں انہوں نے کیسز وغیرہ کو ڈیل کرنا تھا۔ لاہور جانے سے پہلے وہ اپنے آبائی علاقہ ڈسکہ میں تشریف لے گئے اور ساتھیوں سے ملے اور ذکر اذکار کروایا تیس مارچ کی صبح کو ڈسکہ کے ساتھی احسن صاحب ادھر دارالعرفان اسلام آباد آئے ہوئے تھے صبح آٹھ بجے ان کے موبائل پہ کرنل صاحب کا فون آیا اور کہنے لگے احسن کہاں ہو؟ میں آج آپ کے گاؤں سے گزر رہا ہوں میرا آپ سے ملنے کو بہت دل کر رہا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آج آپ کی فیملی کو ذکر کروا کے لاہور جاؤں۔ احسن صاحب نے کہا کہ میں تو آپ کے دارالعرفان اسلام آباد میں بیٹھا ہوں تو وہ فرمانے لگے کہ چلو پھر کبھی مل لیں گے۔

لاہور میں وہ تین دن رہے۔ جس دن واپس آ رہے تھے تو ان کی معمولی طبیعت خراب تھی جیسے تھکاوٹ یا بخار کی کیفیت ہوتی ہے۔ اویسیہ سوسائٹی لاہور کے ساتھیوں نے ان کو الوداع کیا تو وہ گاڑی خود چلا کے راولپنڈی آئے۔ رات دس بجے جب وہ پنڈی پہنچے تو لاہور فون کر کے انہوں نے سعد بھائی اور تمیمی بھائی کو اطلاع دی کہ میں خیریت سے پنڈی پہنچ گیا ہوں اور میری صحت اب بہتر ہے۔ کرنل صاحب کے گھر اس رات ایک مہمان بھی ٹھہرے ہوئے تھے جنہوں نے اگلے دن عمرہ کیلئے روانہ ہونا تھا۔ رات دو بجے کے قریب جب کرنل صاحب کی طبیعت ناساز ہوئی تو انہوں نے اس ساتھی کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اس سے پوچھا کہ تم گاڑی چلا لیتے ہو؟ اس نے کہاں کہ ہاں میں گاڑی چلا لیتا ہوں تو کرنل صاحب خود رستہ سمجھاتے ہوئے ہاسپٹل پہنچے جہاں ابھی ان کا چیک شروع ہوا ہی تھا کہ اللہ کا بلاوا آ گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ تہجد کے وقت ارشد بھائی کا فون پی ٹی سی ایل کے نمبر پہ آیا کہ کرنل صاحب اس دنیا میں نہیں رہے۔ تو جسم پہ عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی۔ ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے کہ جن لوگوں کے زیر سایہ ہم جان دینا چاہتے

ہیں جو ہمیں غزوۃ الہند کی طرف لے جانے والے ہیں وہ خود اس طرح ہمیں چھوڑ کے جا رہے ہیں۔ کرنل امامؒ کی جدائی کا صدمہ ابھی باقی تھا کہ کرنل بشیرؒ بھی چھوڑ کے چلے گئے۔ طبیعت بے حد ناساز ہو گئی اور بلڈ پریشر بہت ہائی ہو گیا۔ لیکن کیا کرتا ڈیوٹی تو کرنی تھی۔ ان کی وفات کا میسج پورے ملک میں پھیل گیا اور تصدیق کیلئے لوگ دارالعرفان اسلام آباد میں فون کر رہے تھے۔ سب سے زیادہ پریشان لاہور والے ساتھی تھے کہ ایک دن پہلے وہاں سے آئے تھے اور بالکل ٹھیک تھے لیکن کیا کیا جا سکتا ہے۔ یہ صدمہ جدائی کا تو ہمارے مقدر میں لکھا جا چکا تھا۔ کرنل صاحب ہمیں چھوڑ کے اپنی حقیقی منزل کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پہ حضرت جی مدظلہ العالی نے شعر کہا تھا۔

زیست کے پھندوں میں گئے چھوڑ وہ تنہا اکرمؔ
جو کبھی نام سے حوروں کے جلا کرتے تھے

صبح دس بجے کرنل صاحبؒ کا جنازہ تھا جس میں پنڈی ڈویژن کے علاوہ پشاور چکوال اور سرگودھا سے ساتھی شامل ہونے کیلئے پہنچ گئے۔ عسکری-2 میں نماز جنازہ ادا کی گئی جہاں انہوں نے زندگی کا ایک طویل عرصہ گزارا میجر حافظ غلام قادری صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی جبکہ دارالعرفان منارہ سے ملک عبدالرقیب اعوان صاحب، ہیڈ ماسٹر محمد خان صاحب اور ملک احمد نواز صاحب نے خصوصی طور پہ نماز جنازہ میں شرکت فرمائی۔ سلسلہ عالیہ کے ساتھیوں کے علاوہ ان کے سینکڑوں دوست احباب بھی نماز جنازہ میں شامل ہوئے۔ ان کی تدفین ان کے آبائی گاؤں میں ہوئی۔ کرنل صاحبؒ کی فیملی کے وہاں ہونے کی وجہ سے وہاں بھی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ جہاں ہزاروں ساتھیوں نے شرکت کی سعادت حاصل کی۔ قاری عبدالخالق صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی

اللہ کرنل صاحب پہ کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ اور ہمیں بھی ان کے نقش قدم پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کرنل صاحبؒ کے ساتھ گزرا وقت یاد آتا ہے۔ وہ ایسے شفیق انداز میں بات کرتے تھے کہ ساری پریشانیاں دور ہو جاتیں، دو لفظوں میں ساری بات سمجھا دیتے۔ میری ہزاروں نالائقیوں کے باوجود وہ مجھ پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ آخری دن جب لاہور اویسیہ سوسائٹی میں ساتھیوں کے پاس بیٹھے تھے تو فرمایا کہ میں دنیا میں جہاں بھی جاتا ہوں مجھے دارالعرفان اسلام آباد کی فکر نہیں ہوتی اللہ نے مجھے ایسا بندہ دیا ہے جو سارا کام سنبھال لیتا ہے۔

اللہ پاک کوئی سیٹ خالی نہیں رکھتے جو بندہ اپنی ڈیوٹی پوری کر جاتا ہے اللہ پاک اس کی جگہ دوسرے کی ڈیوٹی لگا دیتے ہیں۔ دوسرا نئے ولولے نئے جذبے کے ساتھ کام کرتا ہے۔ یہ عام آدمی کی اپنی استعداد پہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے ان بندوں سے کتنا استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ پہلے کے ساتھ اٹیچ ہوتے ہیں ان کا چونکہ ایک لگاؤ ہوتا ہے ایک محبت ہوتی ہے۔ وہ لوگ اندر سے ایک دفعہ ہل جاتے ہیں۔ اور جدائی کا صدمہ زندگی بھر ان کا ساتھی بن جاتا ہے۔ ایک روگ سا دل پہ لگ جاتا ہے جسے جھیلنا پڑتا ہے۔

بقول پیر نصیر الدین شاہ اتنا ہی کہا جا سکتا ہے۔

سنے کون قصہ حالِ دل   جو تھا راز داں وہ چلا گیا

اللہ پاک ہمیں سلسلہ عالیہ کے ساتھ جوڑے رکھے۔ اور ہمیں بھی غزوۃ الہند میں شامل ہونے کی تڑپ عطا فرمائے۔ آمین

نوٹ:۔ بھائی جان عبدالقدیر اعوان نے جب اس مضمون کو پڑھا تو انہوں نے اس پر لکھا، مجھے محترم کرنل بشیر احمد چودھری رحمۃ اللہ علیہ کی رفاقت میں رہنے کا موقع ملا۔ میں نے ان کو جس طرح سے پایا وہ میں احباب سے Share کرتا ہوں کہ "وہ فنافی الشیخ تھے"۔

تصحیح:۔ ماہ جولائی 2013ء کے المرشد کے صفحہ نمبر 4 میں قرآن پاک کی سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر 124 لکھی گئی تھی جس میں ایک لفظ ضَنکًا غلط لکھا گیا تھا صحیح آیت یہ ہے۔ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْکًا

گزشتہ سے پیوستہ

حقوق والدین

مولانا عاشق الٰہی بلند شہری کی کتاب "حقوقِ والدین" سے مرتب کیا گیا

ماں باپ کی خدمت نفلی حج اور عمرہ سے کم نہیں

حدیث مبارکہ نمبر 16

ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ میں جہاد کرنے کی خواہش رکھتا ہوں اور اس پر قادر نہیں، (ممکن ہے کہ یہ صاحب بہت کمزور ہوں، یا بعض اعضاء صحیح سالم نہ ہوں جس کی وجہ سے یہ کہا کہ جہاد پر قادر نہیں) ان کی بات سنکر آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال فرمایا کہ کیا تیرے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟ عرض کیا والدہ زندہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس تو اپنی والدہ (خدمت اور فرمانبرداری) کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر، جب تو اس پر عمل کرے گا تو تُو حج کرنے والا اور عمرہ کرنے والا اور جہاد کرنے والا ہوگا، پس جب تیری ماں تجھے بُلائے تو (اسکی فرمانبرداری کے بارے میں) اللہ سے ڈرنا (یعنی نافرمانی مت کرنا) اور والدہ کے ساتھ حُسن سلوک کا برتاؤ کرنا۔ (درمنثور ص ۱۷۳ ج ۴، از بیہقی وغیرہ)

تشریح:۔ اس حدیثِ پاک میں ارشاد فرمایا، کہ والدہ تم کو بلائے تو اس کی اطاعت کرو، عام حالات میں جب بھی ماں باپ بلائیں اُن کے پکارنے پر حاضر خدمت ہوجائے، اور جو خدمت بتائے انجام دیدے، اگر نماز میں مشغول ہو اور اس وقت والدین میں کوئی آواز دے تو اس کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ ماں باپ اگر کسی مصیبت کی وجہ سے پکاریں، مثلاً پاخانہ وغیرہ کی ضرورت سے آتے جاتے پاؤں پھسل جائے، اگر دونوں میں سے کوئی گر گیا، یا گِر جانے کا قوی اندیشہ ہے، اور کوئی دوسرا اُٹھانے والا اور سنبھالنے والا نہیں ہے تو اُن کو اُٹھانے اور سنبھالنے کے لئے فرض نماز کا توڑ دینا واجب ہے، اور اگر انھوں نے کسی ایسی ضرورت کے لئے نہیں پکارا جس کا اوپر ذکر ہوا بلکہ یونہی پکار لیا تو فرض نماز توڑنا درست نہیں ہے،

اگر کسی نے سنت یا نفل نماز شروع کر رکھی ہے اور ماں باپ نے آواز دی، لیکن اُن کو معلوم نہیں ہے فلاں لڑکا یا لڑکی نماز میں ہے تو اس صورت میں نماز توڑ کر جواب دینا واجب ہے، خواہ کسی ضرورت سے پکاریں خواہ بلا ضرورت یونہی پکار لیں، اس صورت میں اگر نماز نہ توڑی اور اُن کا جواب نہ دیا تو گناہ ہوگا، البتہ اگر اُن کو معلوم ہے کہ نماز میں ہے اور یونہی بلا ضرورت پکارا ہے تو نماز نہ توڑے۔

اور اگر کسی ضرورت سے پکاریں یا کسی مصیبت میں پڑ جانے کا خطرہ ہو جس کی وجہ سے پکارا ہو تو ہر حال میں نماز توڑ کر اُن کی ضرورت پوری کرے، اُن کو نماز پڑھنے کا علم ہو یا نہ ہو۔ (شامی، بابِ ادراک الفریضۃ)

والدین کی نافرمانی بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ہے

حدیث مبارکہ نمبر 17

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کہ بڑے گناہ یہ ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا (۲) والدین کی

نافرمانی کرنا (۳) کسی جان کو قتل کر دینا (جس کا قتل کرنا شرعاً قاتل کے لئے حلال نہ ہو) (۴) جھوٹی قسم کھانا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷، از بخاری شریف)

تشریح:۔ کبیرہ گناہوں کی فہرست طویل ہے، اِس حدیث میں اُن گناہوں کا ذکر ہے جو بہت بڑے ہیں، اُن میں سے شرک کے بعد ہی عقوق الوالدین کا ذکر فرمایا ہے، لفظ عقوق میں بہت عموم ہے، ماں باپ کو کسی بھی طرح سے ستانا، قول سے یا فعل سے، اُن کو ایذاء دینا دل دُکھانا، نافرمانی کرنا، حاجت ہوتے ہوئے اُن پر خرچ نہ کرنا یہ سب عقوق میں شامل ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو محبوب ترین اعمال ہیں اُن میں بروقت نماز پڑھنے کے بعد ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کا درجہ بتایا، بالکل اسی طرح بڑے بڑے کبیرہ گناہوں کی فہرست میں شرک کے بعد ماں باپ کے ستانے اور اُن کی نافرمانی کرنے کو شمار فرمایا ہے، ماں باپ کی نافرمانی اور ایذاء رسانی کس درجہ کا گناہ ہے، اس حدیث سے صاف واضح ہے،

وہ شخص ذلیل ہو جسے ماں باپ نے جنت میں داخل نہ کرایا

حدیث مبارکہ نمبر 18

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے (ایک مرتبہ) ارشاد فرمایا کہ وہ ذلیل ہو، وہ ذلیل ہو، عرض کیا گیا کون، یارسول اللہ ﷺ! فرمایا جس نے اپنے ماں باپ کو یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کے وقت میں پایا پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہوا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۸، از مسلم شریف)

تشریح:۔ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ماں باپ کی خدمت اور اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنا جنت میں داخل ہونے کا بہترین ذریعہ ہے، اور عقوق الوالدین یعنی ماں باپ کی نافرمانی اور ایذاء رسانی دوزخ میں جانے کا ذریعہ ہے، زندگی میں خصوصاً نوجوانی میں انسان سے بہت سے صغیرہ کبیرہ گناہ سرزد ہو جاتے ہیں، اور ماں باپ کی نافرمانی بھی ہو جاتی ہے، اگر کسی گناہ گار بندہ کو بوڑھے ماں باپ میسر آ جائیں یعنی اس کی موجودگی میں بوڑھے ہو جائیں، تو گذشتہ گناہوں کے کفارہ کے لئے اور دوزخ سے آزاد ہو کر جنتی بننے کے لئے بوڑھے ماں باپ کی خدمت کو ہاتھ سے نہ جانے دے، اس کو داخلہ جنت کے لئے اکسیر جانے، جس شخص نے ماں باپ کو بوڑھا پایا لیکن اُن کی خدمت نہ کی، اُن کی دُعائیں نہ لیں، بلکہ اُن کا دل دُکھاتا رہا، اور جوشِ جوانی میں اُن کی طرف سے غفلت برتتا رہا، جس کی وجہ سے دوزخ کا مستحق ہوگا، ایسے شخص کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے تین مرتبہ بددُعا دی، اور فرمایا کہ یہ شخص (دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہو) جس کے ماں باپ زندہ ہیں اُن کی زندگی کی قدر کرے، اور اُن کو راضی رکھ کر جنت کما لے،

فرمانبردار اولاد کے لئے جنت کے اور نافرمان کے لئے دوزخ کے دروازے کُھلے ہوئے ہیں

حدیث مبارکہ نمبر 19

ترجمہ:۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اس حال میں صُبح کی کہ وہ اپنے والدین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے (یعنی حکم شریعت کے مطابق ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کرتا ہے،) تو اُس کو اِس حال میں صُبح ہوئی کہ اُس کے لئے جنت کے دروازے کُھلے ہوتے ہیں، اگر ماں باپ میں سے ایک موجود ہو اور اِس کے بارے میں اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے صُبح کی ہو تو اس کو اِس حال میں صُبح ہوتی ہے کہ اس کے لئے جنت کا ایک دروزاہ کھلا ہوا ہوتا ہے اور جس شخص کو اِس حال میں صُبح ہوئی کہ وہ اپنے والدین کے بارے میں اللہ کا نافرمان ہے (یعنی اپنے ماں باپ کے حقوق واجبہ کی ادائیگی نہیں کرتا) تو اُس کے لئے اِس

حال میں صبح ہوئی کہ اس کے لئے دوزخ کے دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں، اور اگر ماں باپ میں سے ایک موجود ہو اور اُس کے بارے میں اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے صبح کی ہو تو اُس کو اِس حال میں صبح ہوتی ہے کی اس کے لئے دوزخ کا ایک دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے، ایک شخص نے سوال کیا اگر چہ ماں باپ نے اس پر ظلم کیا ہو، (تب بھی یہی حکم ہے) اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ (تین بار فرمایا) اگر چہ ماں باپ نے اس پر ظلم کیا ہو، اگر چہ ماں باپ نے اس پر ظلم کیا ہو، اگر چہ ماں باپ نے اُس پر ظلم کیا ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۱، از بیہقی)

تشریح:۔ اس حدیث پاک میں ماں باپ کی خدمت، اور فرمانبرداری اور حُسن سلوک کی فضیلت پوری اہمیت کے ساتھ بتائی ہے، اور ماں باپ کے ستانے اور اُن کی نافرمانی کا وبال خُوب واضح کر کے بیان فرمایا ہے، یہ جو آخر میں فرمایا کہ ماں باپ اگر چہ ظلم کریں تب بھی اِن کی نافرمانی اور ایذاء رسانی کی وجہ سے دوزخ کے دروازے کھلے رہیں گے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ماں باپ کو ظلم کرنے کی اجازت دیدی، ماں باپ ظلم کریں گے تو ظلم کا وبال اُن پر پڑے گا اور اُن سے اِس کا مواخذہ ہوگا۔

اولاد کو چاہئے کہ وہ یہ دیکھے کہ میری ذمہ داری کیا ہے، اگر ماں باپ اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتے تو وہ جانیں، درحقیقت اجتماعی زندگی گذارنے کے لئے یہ بہت بڑی وصیت ہے اور بہت کام کی نصیحت ہے، کہ ہر شخص اپنی ذمہ داری پوری کرنے کی فکر کرے، یہ نہ دیکھے کہ دوسرے نے میرے ساتھ کیا کیا ہے، اگر ہر فریق اور ہر چھوٹا بڑا اس پر عمل کرلے تو انشاء اللہ سب کی زندگی آرام سے گذرے گی۔

ماں باپ کی طرف گھور کر دیکھنا بھی عقوق میں شامل ہے

حدیث مبارکہ نمبر 20

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص نے اپنے والد کے ساتھ حُسن سلوک نہیں کیا جس نے والد کو تیز نظر سے دیکھا۔ (درمنثور ص ۱۷۱ ج ۴ از بیہقی فی الشعب)

تشریح:۔ اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کو تیز نظر سے دیکھنا بھی اُن کے ستانے میں داخل ہے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ عقوق یعنی ماں باپ کے ستانے کی کیا حد ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اِن کو (خدمت سے اور مال سے) محروم کرنا اور ان سے ملنا جلنا چھوڑ دینا، اور اُن کے چہرے کی طرف تیز نظر سے دیکھنا یہ سب عقوق ہے، (درمنثور از ابن ابی شیبہ) حضرت عروہؓ نے فرمایا کہ اگر ماں باپ تجھے ناراض کر دیں (یعنی) ایسی بات کہہ دیں جس سے تجھے ناگواری ہو تو ان کی طرف ترچھی نظر سے (بھی) مت دیکھنا، کیونکہ انسان جب کسی پر غصہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے تیز نظر سے ہی اُس کا پتہ چلتا ہے (درمنثور عن ابن ابی حاتم)

معلوم ہوا کہ دل سے ماں باپ کی تعظیم و تکریم کرتے ہوئے اعضاء و جوارح سے بھی فرمانبرداری اور انکساری ظاہر کرنا چاہئے، کردار و گفتار اور نظر سے کوئی ایسے اعمال نہ کرے جس سے اُن کو ایذاء پہنچے۔

(بقیہ صفحہ نمبر 37)

اس کا ملکہ نہ ہوا تھا اور اسی لئے کبھی اس کا منقاد ہو کر اعمال صالحہ کرنے لگتا تھا اور کبھی اس سے بھاگنے لگتا تھا اور وہ اس بین بین حالت میں رہتا ہے جب تک کہ اس کا اتصال بالقلب قوی ہو کر اس کا ملکہ نہ ہو جاوے اور جب ایسا ہو جاوے تو پھر مخالفات سے نجات پالیتا ہے اور شاید یہ ارشاد کہ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ (اللہ سے امید ہے کہ ان پر توجہ فرماویں) اسی طرف اشارہ ہو اور کبھی اس کے اتصال بالقلب کے جانب کو دوسرے اسباب سے بھی ترجیح ہو جاتی ہے جیسا اس قول میں اشارہ ہے۔"

4 جولائی 2012ء

گزشتہ سے پیوستہ

حضرت شیخ المکرم مدظلہ العالی کے نقش اور دم

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

پھر وہ بھاگے بھاگے آئے۔ میں نے کہا اب مجھ سے کچھ نہیں ہوتا۔ اب وہ جانے تم جانو۔ بے چاری دو دن تڑپ تڑپ کر مر گئی۔

یہاں قریب ایک ڈیرا ہے وہاں کا ایک لڑکا تھا میرے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا۔ عزت بھی کرتا تھا۔ اس کی بہن کو سانپ نے ڈس لیا۔ وہ نمک دم کروا کر لے گئے۔ اسے کھلاتے رہے وہ ٹھیک ہو گئی۔ وہ اب بھی زندہ ہے۔ خود اس لڑکے کو رات کو سانپ نے ڈس لیا وہ نمک تو ان کے گھر میں موجود تھا۔ اس نے وہ نمک چکھا۔ نیم بیہوش سا ہو گیا۔ زہریلا سانپ تھا۔ انہوں نے نمک منہ میں ڈالا۔ چند منٹوں میں ہوش میں آ گیا۔ ٹھیک ہو گیا۔ ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ تو اس نے کہا قرآن لے آؤ۔ مجھے میرے پیروں نے ایک آیت بتائی تھی کہ وہ پڑھ کر دم کرنے سے سانپ کا کاٹا ٹھیک ہو جاتا ہے۔ لائیٹ جلائی۔ وہ قرآن پاک لے آئے۔ قرآن میں تلاش کر کے کسی پارے سے وہ سورۃ نکالی جتنی دفعہ پیروں نے کہا تھا۔ پڑھی اور اپنے اوپر دم کیا اور ساتھ ہی پیچھے گر گیا۔ اٹھا کر بھاگے۔ دو میل پر ہسپتال تھا۔ انہوں نے کہا یہ تو کب کا مر چکا، تو پھونک مارنے کے ساتھ ہی نمک کا اثر ختم ہو گیا۔ یہ میں اس لئے بتا رہا ہوں کہ کل میرے پاس ایک فیملی آئی۔ میاں بیوی بچے تھے۔ ان کے ساتھ ایک خاتون بڑی پریشان تھی کہ مجھے جنات تنگ کرتے ہیں اور ایسا پریشان کرتے ہیں کہ میں بتا بھی نہیں سکتی۔ آج رات بھی میں تین بجے تک جاگتی رہی ہوں سو بھی نہیں سکتی بہت زیادہ تکلیف میں ہوں۔ میں تعویز بھی لے گئی تھی۔ مجھے آرام نہیں آیا۔ میں نے کہا! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہ تم تعویز استعمال کرو اور آرام نہ آئے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ آہستہ آہستہ آرام آئے لیکن تکلیف تو کم ہونی چاہیے۔ بڑھنی تو نہیں چاہیے۔ تمہاری بڑھ کیوں گئی؟ تو میں نے پوچھا تم نے ان تعویزوں کے اوپر کسی سے دم تو نہیں کروایا؟ کہنے لگی ہاں! میں ایک ساتھی کے پاس گئی تھی۔ اس نے مجھے دم بھی کر دیا اور دعا بھی بتائی جو پڑھ کر پھونکتی ہوں۔ تو میں نے کہا! تو پھر یہ تو اس ساتھی کی ذمہ داری ہے۔ تعویزوں کی بات تو ختم ہو گئی پھر تو اس کی ذمہ داری ہے۔ اب میں نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ تم کس شہر سے آئی؟ اور وہ کون سا ساتھی ہے۔ اگر پوچھتا تو وہ بتا دیتی۔ میں نے جان بوجھ کر نہیں پوچھا کہ جب بندہ متعین ہو جائے گا تو میرے دل میں اس کی طرف سے کدورت آئے گی۔ اور اس کا زیادہ نقصان ہوگا۔ اس لیے میں نے جاننے کی کوشش نہیں کی۔ اجتماعی طور پر اس لئے بتا رہا ہوں تا کہ سب جان لیں۔ اس خاتون نے کہا وہ حلقے کا بڑا بزرگ ساتھی ہے۔ میں نے کہا وہ اپنے حلقے کا ہو یا بیگانہ جب اس نے آپکا علاج کیا، ذمہ داری اس کی ہے۔ مجھے دکھ ہوا کہ ہم رات دن محنت کرتے ہیں بندہ بنانے کیلئے کہ ہم بندے بن جائیں پتہ نہیں ہماری تربیت میں کمی ہے، ہم میں وہ استعداد نہیں یا لوگوں کے مزاج بگڑ گئے ہیں۔ اللہ اللہ کرنے سے انہیں خدا بننے کی کیسے سوجھ جاتی ہے۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ یعنی اللہ اللہ کرائی جاتی ہے کہ انسان کو اللہ کی عظمت کا، اپنی بے مائیگی کا احساس ہو، ادراک ہو، یہ ساتھیوں میں خدائی طاقت لینے کا، خدا بننے کا خیال کیسے آ جاتا ہے؟

پھر یہ عجیب طریقہ ہے کہ شیخ نے ایک بندے کو علاج دیا اور آپ کہتے ہیں نہیں یہ میں دیتا ہوں تم یہ کرو ٹھیک ہو جاؤ گی۔ یہ کیا طریقہ

ہے۔میاں یہ سارا مجاہدہ تو ہوتا ہے کہ ہم بندے بن سکیں۔لاکھوں لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ میں انہیں جانتا بھی نہیں۔ ان سے پھر ملتا بھی نہیں۔ یہ خیال بھی نہیں ہوتا۔اللہ کریم کی تقسیم ہے۔اگر اس نے کوئی نعمت دی ہے۔ اس کے نام پر ہم لوگوں کو دیتے ہیں۔حالانکہ میں اس سے تنگ ہوں۔میرا بڑا وقت ضائع کرتے ہیں۔اپنے کام بھی ہوتے ہیں دنیا کے بھی۔پھر میری عادت ہے جو تھوڑی فرصت ملے مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ یہ اس میں مخل ہوتے ہیں اب بندہ جب مطالعہ کر رہا ہوتا ہے وہ بیشمار بندوں کے ساتھ مجلس میں بیٹھا ہوتا ہے۔کتاب میں بیشمار حضرات کے حوالے ہوتے ہیں۔علماء کے،اہل اللہ کے،ایک محفل سج جاتی ہے۔بندہ ایسے بیٹھا ہوتا ہے جیسے ان سارے لوگوں کے درمیان بیٹھا ہو۔ان کی باتیں سن رہا ہوتا ہے۔اوپر سے کوئی آجاتا ہے۔جی تعویز لکھ دیں تو بڑی کوفت ہوتی ہے۔ خوشی نہیں ہوتی۔لیکن کرتا ہوں کہ اگر اللہ کریم نے مجھے یہ نعمت دی اور اللہ کی مخلوق کا بھلا ہوتا ہے تو کوئی حرج نہیں۔ مجھے شوق نہیں ہوتا کہ لوگ مجھے پارسا سمجھیں، بزرگ مانیں،لوگوں کے ماننے یا سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ میرے معمولات،میرا لباس،میری رہائش ملنا جلنا وہی ہے جو شروع سے تھا۔اس میں کسی بزرگی کی کوئی تبدیلی نہیں ہے۔اور یہی طریقہ حضرات سے مشائخ سے ملا ہے۔ہمیں نصیب ہوا ہے۔یہ ساری بات میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ اللہ کرے اس ساتھی تک جسے پیر بننے کا شوق ہے یہ بات پہنچ جائے۔خدا کیلئے اپنی انا میں گرفتار مت ہو! پارسائی کا دعویٰ نہ کرو،مشکل کشا نہ بنو۔ وہ اللہ کریم ہی ہے۔ جو لوگوں کی مشکلیں حل کرتا ہے۔اور پھر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ جب شیخ نے ایک بندے کو علاج دیا۔آپ کہتے ہیں نہیں نہیں میں وظیفہ بتاتا ہوں اس سے ٹھیک ہو جاؤ گی۔ یہ کیا عجیب بات ہے؟ کیوں ایسا کرتے ہیں؟اور اگلے کا نقصان ہو جاتا ہے تو اللہ کو کیا جواب دیں گے؟ اب کتنی اذیت ہے ایک مسلمان خاتون کو جنات اور شیاطین اسے پریشان کرتے ہیں تو آپ اس کی پریشانی پر خوش ہیں؟ آپ شیاطین کی مدد کرنا چاہتے ہیں؟ کہ اسے اس علاج سے فائدہ نہ ہو۔

میں بتا دیتا ہوں۔عجیب بات ہے مولانا رومیؒ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔کہ نااہلوں کو یہ چیز عطا نہیں کرنی چاہیئے۔ ہے تو یہ روح کی غذا لیکن جسے آپ یہ دے رہے اس میں اس غذا کو حاصل کرنے کی اہلیت بھی ہونی چاہیے۔وہ کہتے ہیں انسانی بچہ جو شیر خوار ہوتا ہے آپ اسے روٹی کھلا دیں تو وہ روٹی کھانے سے مرجائے گا۔

طفل را گر نان دہی برجائے شیر
طفل بے چارہ ازاں نان مردگی

دو تین مہینے کے ننھے بچے کو اس کا دودھ بند کر دیں اور اس کو کھانا روٹی کھلا دیں تو اسے مرنے کیلئے وہی کافی ہے۔وہ بیچارہ اسی سے مرجائے گا۔ بڑا ہوگا۔کھانا ہضم کرنے کی استعداد ہوگی تو پھر کھانا اسے طاقت دے گا۔ بڑھائے گا۔فرماتے ہیں طفل راہ گر نہ دہی برجائشیش، طفل بے چارہ آذانہ مردگی تو پھر کھانے کی وجہ سے تم اسے مار رہے ہو۔ وہ تمہیں مردہ ملے گا۔

اصل یہاں اللہ کی عطا ہے ایک فیض عام ہے حضرتؒ کا۔اور ہر آنے والے کو کچھ نہ کچھ عطا ہوتا ہے تو جن میں وہ پختگی نہیں ہوتی وہ اسی سے مرجاتے ہیں۔بجائے عظمت الٰہی اور اپنی بے مائیگی کا احساس کرنے کے سمجھتے ہیں میں بہت کچھ بن گیا ہوں۔ میں نے اگر یہ نہیں پوچھا کہ تم کس شہر سے آئے ہو۔ یہ نہیں پوچھا کسی ساتھی کے پاس گئے ہو۔تو مجھے یہ سب بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں یہ اس لیے بیان کر رہا ہوں کہ حلقہ احباب میں جو لوگ بھی ایسا کرتے ہیں۔خدا کیلئے باز آجائیں۔ بندے بنیں۔بندوں کے مشکل کشا بننے کی کوشش نہ کریں۔بندے کی سب سے بڑی عظمت یہ ہے کہ وہ خود کو بندہ ثابت کرے۔ اور یہ بڑے نازک معاملات ہوتے ہیں اور یہ چیزیں منجانب اللہ چلتی ہیں۔اپنے آپ ایجاد بندہ سے یہ کام نہیں ہوتے تو میری گزارش ہے کہ جہاں تک یہ آواز پہنچے، جہاں بات پہنچے، چھپ جائے،المرشد میں آجائے گی۔تو خدا کیلئے اپنے

آپ کو سنبھال سکیں تو یہ بڑی بات ہے۔ یہ بزرگوار پیر بننے کی خواہش چھوڑ دیں۔ یہ مہلک بیماری ہے اور یہ بالآخر اعمال خراب کرتی ہے۔ پھر ایمان خراب کرتی ہے۔ اور کتنوں کو آپ نے جاتے دیکھا۔ یہ سارے وہی تھے جنہیں اپنی بڑائی کا زعم ہوگیا۔ اپنی بزرگی میں گرفتار ہوئے۔ اور حلقے سے، سلسلے سے، نسبت سے محروم ہو گئے۔ اور نسبت سے محرومی بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ جس طرح یہ ہر سیل میں انوارات چلے جاتے ہیں اگر یہ سلب ہو جائیں تو اپنے ساتھ نظریات، عقائد، ایمانیات بھی لے جاتے ہیں اور ہم نے لوگوں کو کفر پر مرتے دیکھا ہے۔ میں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جن کے مراقبات اعلیٰ تھے۔ اعلیٰ مقامات تھے۔ پھر جب سلسلے سے گئے تو بقول مولانا اشرف علی تھانویؒ وہ لکھتے ہیں کہ اس کا انکار کفر تو نہیں ہے۔ لیکن مرتے عموماً کفر پر ہی ہیں۔ مفضی الی الکفر ہے کفر کی طرف لے جاتا ہے۔ اگر شیخ سلب کرے نسبت تو اس کے ساتھ ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہمارے ہاں سلب نہیں کی جاتی۔ حضرتؒ کی عادت تھی۔ سلب نہیں فرماتے تھے۔ اور آخری وصیت جو مجھے فرمائی۔ زندگی کے آخری لحات میں کہ کسی کو اس کے گناہ یا خطا کی وجہ سے اس کے مقامات سلب نہ کرنا اسے حلقے سے نکالنا نہیں۔

ان دنوں ایک ساتھی تھے انہیں حضرتؒ نے صاحب مجاز بھی بنایا ہوا تھا۔ انہوں نے بہت بڑی غلطی کی تو ان کا نام لیکر حضرتؒ نے خصوصاً فرمایا کہ اسے حلقے سے نہ نکال دینا۔ میں نے تو نہیں نکالا لیکن وہ خود نکل گئے، محروم ہو گئے۔ یہ تو اللہ کی مرضی تو شیخ نکال دے یا کوئی خود نکل جائے تو نکلنے کے اثرات تو وہی مرتب ہوتے ہیں۔ پھر نہ نمازیں رہتی ہیں نہ روزے رہتے ہیں نہ دین رہتا ہے نہ نیکی رہتی ہے۔ یہ ہر شئے نکل جاتی ہے۔ تو آپ اپنے کو بڑا بنانے کیلئے یا بڑا کہلوانے کیلئے اتنی قربانی دینے کو کیوں تیار ہو جاتے ہیں؟ دنیا میں کوئی ایسا بے وقوف شخص ہے جو اسے کوئی کہے کہ جتنے تمہارے پاس پیسے ہیں وہ بھی مجھے دے دو، جو تمہاری پاس گاڑیاں، گھر ہیں وہ بھی مجھے دے دو۔ میں تمہیں بڑا مان لوں گا۔ کوئی دیتا ہے؟ وہ کہتا ہے تم مجھے نہ مانو بھئی، تو کیا زمین اور مکانوں جیسی اہمیت بھی اس نعمت کی نہیں ہے! کہ یہ چھوڑ کر آپ اپنی بڑائی کے پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ یہ تو جانے دو مجھے بڑا مان لو۔ لوگوں کے بڑا ماننے سے کیا ہوگا؟ آپ بڑے بن جائیں گے؟ بڑائی اللہ کیلیے ہے۔ عظمت الٰہی اسی کو سزاوار ہے۔

بندے کیلئے اس کی شان بندگی ہے۔ بندہ ہونا ہی اس کی عظمت ہے۔ اس کے سارے مقامات اس میں ہیں۔

ٹھیک ہے اگر اللہ نے ایسی دولت آپ کو دی ہے تو بانٹیں لیکن ایک بات یاد رکھیں۔ جو کلمہ کوئی پڑھ کر دم کرتا ہو وہ معروف کلمہ ہو۔ اس کے معنی آتے ہوں یا قرآن کی آیت کریمہ ہو یا حدیث شریف ہو۔ اور مفہوم اور معنی کا پتہ ہو۔ ورنہ غیر معروف زبانوں میں کفریہ کلمات ہوتے ہیں جو لوگ پڑھتے رہتے ہیں اور پھر جو لوگ مجھ سے علاج لیکر جاتے ہیں۔ اس پر علاج کر کے بڑا بننے کی کوششیں نہ کریں۔ اس غریب کا نقصان ہو جاتا ہے۔ اب یہ فیملی مجھے نہیں پتا ذکر بھی کرتی ہے، اللہ اللہ بھی کرتی ہے یا نہیں نہ میں نے پوچھا۔ لیکن وہ کتنی اذیت سے دوچار تھی۔ صرف ایک ساتھی کے بڑا بننے کے شوق میں۔ اللہ سب کو ہدایت دے اور جس کسی نے ایسا کیا ہے اسے چاہیے توبہ کرے۔ اور اللہ کریم سے معافی مانگے اور بندہ بننے کی کوشش کرے، بندے میں خدائی اوصاف پیدا نہیں ہوتے۔ مولانا رومیؒ نے فرمایا تھا۔

نفس ما ہم کمتر از فرعون نیست

فرعون کی بیماری کیا تھی؟ یہی کہ میں خدا ہوں انا ربکم الاعلیٰ میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ نفس ہمارا بھی فرعون سے کم نہیں ہے۔

لیک او را عون ما را عون نیست

اس کے پاس طاقت تھی ہمارے پاس طاقت نہیں ہے۔ ہمیں بھی موقع ملے تو ہم بھی فرعون ہیں۔ تو نفس میں تو یہ خصوصیات ہیں۔ اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے۔ اپنے کو ڈھونڈ لانا چاہیے کہ میں کہاں ہوں؟

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

توسیع مسجد دارالعرفان منارہ

آج سے 32 سال قبل جس مسجد کا سنگ بنیاد حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا تھا آج وہ پوری دنیا کیلئے تصوف کا مرکز بن چکی ہے، یہ وہی قافلہ ہے جسے اس کے میر کارواں نے نہایت مجاہدے سے شروع کیا اور یہ رواں دواں ہے توسیع کا سنگ بنیاد

حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی نے

جمعۃ المبارک بمطابق 25 مئی 2012ء کو رکھا

مسجد دارالعرفان کے توسیعی منصوبے پر 39 ملین روپے لاگت آئے گی اور یہ 01 سال میں مکمل ہوگا

مسجد کے ہال میں بیک وقت 4500 نمازیوں کی گنجائش موجود ہوگی۔

اگر کوئی ساتھی اس مسجد میں اپنے ایک مصلیٰ کا ہدیہ (جو تقریباً 15 ہزار روپے پاکستانی) اندازہ کیا گیا ہے جمع کروانا چاہے تو دارالعرفان مرکز یا ضلعی امراء سے رابطہ کرسکتا ہے

منجانب: **مرکزی دفتر دارالعرفان منارہ تحصیل کلر کہار ضلع چکوال**

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝۲۲

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے

اکرم التراجم

قدرت اللہ کمپنی کے تیار کردہ دیدہ زیب قرآن پاک

شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

کا تحریر کردہ آسان اور عام فہم زبان میں اردو ترجمہ

اب آپ ہماری ویب سائٹ www.naqashbandiaowasia.com پر بھی پڑھ سکتے ہیں

شیخ المکرم کے تازہ ترین بیانات ہر جمعہ کی شام ہماری ویب سائٹ www.ourshelkh.org پر سن سکتے ہیں

منجانب: صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان ایڈمنسٹریٹر دارالعرفان منارہ 0543-562200

People will see (Qiyamat) Day of Judgment when it will commence, but O;believer you may behold it today, you may experience it today, and then you will not have to go through this experience again. When on the Day of Judgment the universe will collapse Allah says the servants will not ever hear the slightest sound on that Day (الانبیاء102)لا یسمعون حسیسہا. The world will fall apart while my servants will not hear a sound. حسیس denotes the sound which is audible when a person walks bare footed on the floor. These servants of Allah will remain oblivious to the great clamor of Qiyamat, they will be engrossed in their conversations with Allah, absorbed in His love and refulgence. They will not even know about the commencement of the Day of Judgment and its end. For these are the people who had experienced it in their lifetime. So worships are a divine blessing not a burden. But for an ignorant person if you make him carry loads of diamonds he will consider them to be a burden. However a person who appreciates the value will ask for more; if it is five, he will say let it be six are seven. The poet has said it so well,

محبت کو سمجھنا ہے تو نا صح خود محبت کر
کنارے سے کبھی اندازہ طوفان نہیں ہوتا

Do not make worship merely as a routine work or a habit but derive pleasure from each prostration, each Ruku. Each word has its, own blessings. These worships turn around the entire human life and make it acquainted with "fana-fi-Allah" and "baqa-bi-Allah". These are the essence of life, the way life should be spent. These make us visualize the scenes of the Day of Judgment. Do you know what is the greatest reward of jannah ? It is وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ(التوبہ:72) the pleasure of Allah is the greatest reward in jannah. The residents of jannah will behold Divine Refulgence and be blessed with the company of Prophets (AS) and the honour to be presented before the Holy Prophet (SAWS).

Everyone will enjoy these blessings in accordance to their status in jannah, but these have to be acquired during ones lifetime. It is here in our worldly life that we have to earn them, the field is here to act. We can acquire these blessings with our lives, every breath of ours is a coin which we are spending and these are the blessings for which we should be spending then. From here we will take these blessings to our grave and then to the Day of Judgment.

So please evaluate your worships as the results borne on worships is the earnings of your life.

stands wrapped in coffin, cleansed with ablution in divine presence and says لبیک اللھم لبیک, I am here O Allah,لبیک لاشـــریک لک لبیک. The result is that the scene of Day of Judgment is revealed before his eyes and he is participating in it. On the Day of Judgment even the most defiant non-believers will beg Allah to allow them to return to the world once, where they will never disobey Hm. The Quran tells us that those who were very celebrated wrong-doer's will beg that after what they had seen, they be returned to world, given one chance to live they would never disobey Him. Allah says they are liars and such evil people that their hearts are drenched with the love of the world. If they are given one more chance to live in the world they will again resort to disobedience. The word يَـكْـذِبُـوْنَ is said which means, they are lying. Now a person (performing hajj) who experiences a moment of the Day of Judgment, can leave room for disobedience on his part in any aspect of his life? Does it leave any option for him to follow vain desires? Can he ever imagine forsaking the teaching of the prophet (SAWS)? So it is very important to ponder over the results borne by our worship, indeed it is the essence of our life. As human beings and jinn were created for this purpose that they may worship Him i.e., they acquire Hs cognition and become aware of His magnificience.

Worships are not a burden that a person may become anxious that he had offered fajr not very long ago and now it is again time for Zuhr. Fajr is Fajr and Zuhr is Zuhr, these are two different meetings with Allah, although the words maybe the same but the feelings and blessings are different.

Allama Iqbal had painfully described the condition of the nation as"
دلے دارند محبوبے ندارند

That Allah has given them hearts but they have not given their hearts to anyone. They do not have a beloved, they have not committed their hearts to anyone.

دلے دارند محبوبے ندارند

If someone has a beloved, even a human being like himself, does he ever get fed up talking to him? Does he not find excuses, or avail chances to talk to his beloved around the clock? Now if this heart is sold out in the noble Court of the Prophet (SAWS), if it gets into the divine court what can one say! Where does a servant stand, while how exalted is the creator of the universe! And then when the creator invites him to come and talk to Him, asks him how he is doing, what he wants, what are his joys and sorrows.

Worship transforms our lives into living examples of Allah's obedience

Translated Speech of SHEIKH UL MUKARRAM(MZA) 9-7-2012

Apart from this it is recommended to spend more on other causes, to free slaves, to pay for medical treatment of poor patients and to pay for the education of poor children. This is to ensure that the love for wealth does not sink in your hearts. Wealth is to be utilized. You must have seen people use tissue papers to wipe their hands, they take out a tissue wipe their hands and throw it away. They hardly give any importance to the tissue paper itself. This world is also a tissue paper, use it and discard it. Does anyone fall in love with a tissue paper? If we do not acquire this as a fruit borne on Zakat then what have we achieved?

Look at those people who are very affluent but they fight over Zakat and the hides of animals slaughtered in sacrifice. They collect them and spend the money on personal needs.How distant is their ideology from Islam!

Then it comes to Hajj which is obligatory upon every muslim who can afford it only once in a lifetime. If one can afford, he can perform as many umrahs as he can. Umrah is a smaller Hajj (Haj-e-Asghar) while Hajj is called Hajj Akbar. Quran has named Hajj as Hajj Akbar (greater) since it has many rites, whereas the rites performed in umrah are less.Umrah can be performed throughout the year. The rites to be observed in Haj are more than Umrah and its, days and timings are prescribed.

It has become a common belief amongst people that when a Hajj falls on (Jummah) Friday. they call it Hajj-e Akbar; this has no basis. Hajj is Hajj Akbar and Umrah is Hajj Asghar. What is Hajj? It is a medicine, a prescription, a single dose of which is sufficient to restore one's health for all times to come. if one can perform Haj more than once it is Allah's blessing, but it is mandatory to be performed once at least. It is Allah's blessing if one can perform Umrah every year.

What is Hajj? One can visualise the proceedings of the Day of Judgment! People clad in two unstitched sheets of cloth, as if clad in coffin, Coffin consists of two unstitched sheets of cloth. Here he

polluted or unclean containers or food is purchased from the market that contains the bazaar effects, then such food even though Halal, still does not measure to the standard of being pure and wholesome.

Due care was taken that alongside the spiritual aspect of Zikr and meditation, the food presented during the conventions was Halal as well as Tayyib. The wheat, pulses and vegetables for the Ijtema' food were grown and harvested by Hazrat Ameer Ul Mukarram mza himself. Milk was supplied by his dairy herd and the cooks were also Zakireen. In the 1970 Ijtema' the food was prepared at Malik Khuda Bakhsh's house, but was cooked by his sister who, herself was a Zakirah. In 1971,and in all the later conventions held in the Munara school, this blessed duty was taken up by her, but now she was helped by Hazrat Ameer ul Mukarram-mza who would keep the fire going and sometimes lend her a hand in the cooking. Due to the increase of Ahbab during the Ijtema' Sufi Feroz ud Din and Roshan Din would also help. Both of them belonged to the Silsilah.

Meat was not served often during the Munara Ijtema' however when Hazrat Ameer ul Mukarram-mza went hunting, he would, on return, treat the Sathis to venison. Hunting or Shikar is a gift from Allah swt; it may require a hunter to spend a whole night in a forest waiting for his prey or else come across it suddenly by chance. The hunter leaves home in the hope of Allah swt's blessing and if he gets the Shikar, he considers it a favour from Allah swt. In the initial conventions in Munara, the Ahbab frequently received this Divine favour. The reward of excessive Kashf and High(spiritual(Stations during these Ijtema' was due to Hazrat Ji rua's Tawajjuh and also because of the Halal and Tayyib food served there. In fulfilling this duty, the special arrangement made by Hazrat Ameer ul Mukarram-mza and his lady wife(Amma Ji) cannot be ignored.

The Farewell Address

On concluding the Ijtema' Hazrat Ji rua would address the Ahbab, which was followed by a soul moving and compassionate supplication. The address would comprise of general instructions for the Ahbab. Here, we exactly reproduce Hazrat Ji rua's 1978 Ijtema''s farewell address, which bears lasting benefits and is a guide for the Silsilah for times to come.

You are the best of Peoples, evolved for mankind, enjoining what is right, forbidding what is wrong, and believing in Allah. (Aale Imran:110).(This was followed by two Persian couplets):

Meem, wow and meem noon (the letters of the word Momin in Urdu) have no merit in them.

The word Momin is nothing but a definition. (To be continued)

revealed in time".

There was some hesitation in accepting the proposal, but Hazrat Ji rua's words were finally accepted. Hazrat Ameer ul Mukarram-mza built a house in Munara after the 1970Ijtema' and a few months later his second marriage took place. There was a strong reaction from his family also on this occasion, but Hazrat Ameer ul Mukarram mza took little notice of the criticism. He only cared that this marriage had been proposed by his Shaikh, who considered Malik Khuda Bakhsh's sister as his beloved daughter; and it was now up to him to ensure that she was accepted and respected within the family. That is exactly what happened. Hazrat Ji rua used to call Hazrat Ameer ul Mukarram mza his'beloved spiritual son' but now it also became the home of his beloved daughter, so this fortunate household remained under the constant Tawajjuh of Hazrat Ji rua.

The marriage was also an announcement that instead of basing a marriage on the criteria of clans, families, sects, wealth and riches, fame and success, as was the custom in vogue, this marriage was based on a supreme association established with Allah Kareem granted to both families through this Silsilah. Following this, many other marriages took place between the members of the families of the Ahbab.

Pure Food

Once, during his debating days, Hazrat Ji rua stayed at a small village and when he was offered some food, he refused it, as the woman who had cooked it was not in the habit of saying her prayers. When food was brought from another house, Hazrat Ji rua refused it again. Eventually it was found that none of the women of the village offered her Salah. This event served a lesson for the people of the village and they made sure that their women start offering their Salah. When Hazrat Ji rua himself was so cautious about food, how could the Zakireen attending the Ijtema' be given food that fell below the criteria of being Halal(lawful) and Tayyib(pure)

Whenever Hazrat Ji rua, after supplying literary evidence, challenged his opponents to show them the proof spiritually, he stipulated that the person accepting the challenge would have to eat the food that Hazrat Ji rua gave him. The reason being that it is not possible to acquire Kashf(spiritual vision) and Mushahidah(observation) in the absence of lawful(Halal) and Tayyib(pure) food. Similarly, Halal Rizq is the compulsory pre-condition for covering Sulook(the spiritual Path).The income should come from permitted sources and the meat used for food should be slaughtered according to the Halal laws. However, even if the above conditions are met but the cook is not religious or the food is offered in

Hayat-e-Javidan Chapter 20

A Life Eternal(Translation)

CONGREGATIONS

After almost a decade doing Zikr and meditating, Malik Khuda Bakhsh's personality had changed exponentially and his inclination towards religion was regarded as an impediment to his childhood engagement within his family. Seeing this state of affairs Hazrat Ji rua arranged a match for him in the family of Hafiz Ghulam Jilani of Chakwal, after noting their piety and religious inclination. How could a family, in which there was no concept of out-of-family marriages, tolerate this arrangement made within the Silsilah There was a severe reaction from the family and they boycotted his house. Furthermore, they threatened that if Malik Khuda Bakhsh married outside the family, they would ensure that his sister couldn't marry within the family. When Hazrat Ji rua heard of this he said,'Now, both of them shall marry within the Silsilah'. Malik Khuda Bakhsh's marriage was already settled by Hazrat Ji rua, but it wasn't clear where his sister would be married. Although, there were no indications just then, one fact was certain:

Hazrat Ji rua's words would prove true. When the 1970 Munara Ijtema' took place, the host was once again Hazrat Ameer ul Mukarram-mza but the food was prepared at the home of Malik Khuda Bakhsh. In this way, his sister also got the opportunity to serve Hazrat Ji rua and his devotees. In this duration, a couple of proposals were received for her but each time Qazi Ji rua would interject',This lady's star is very bright, the proposal is not up to her standard'.During the Ijtema' on the occasion of Malik Khuda Bakhsh's marriage to the daughter of Hafiz Ghulam Jilani, Hazrat Ji rua proposed Hazrat Ameer ul Mukarram mza's name for his sister. By then, Hazrat Ameer ul Mukarram-mza was already married and also had children. Malik Khuda Bakhsh's sister, accepting that Hazrat Ji rua's wishes were of supreme importance, was perplexed as to how this would come about, knowing the strong character of people of Sethi and expecting an even stronger opposition from the Awan Clan. When her doubts were placed before Hazrat Ji rua, he replied",This marriage will take place. The prosperity and the good for both worlds that are seen in this marriage will be

Ramzan / Shawal 1434h

August 2013

ماہنامہ المرشد

الذکر الذی لا تسمعہ الحفظۃ یزید علی الذکر الذی تسمعہ الحفظۃ سبعین ضعفا (البیہقی)

The zhikr (Silent or Khaffi remembrance), which cannot be heard by the kiraaman-Katibeen, is seventy times better than that which can be heard (verbal remembrance).

The blessing of doing good and be protected from disobedience of Allah SWT comes from Zikr-i-Ilahi (remembrance of Allah)

Hazrat Sheikh ul Mukaram
Ameer Muhammad Akram Awan MZA

MONTHLY AL-MURSHID PS/CPL # 15
17-AWASIA SOCIETY-COLLEGE ROAD, TOWN SHIP LAHORE

A Mosque in Morocco

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فوراا پلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255